# قصیدۂ بردہ (بانت سعاد) کے اردو تراجم کا تجزیاتی مطالعہ

مقالہ برائے ایم فل


مقالہ نگار

سعود عالم


نگراں

پروفیسر معین الدین جینابڑے


ہندوستانی زبانوں کا مرکز

اسکول آف لینگویج لٹریچر اینڈ کلچر اسٹڈیز

جواہر لعل نہرو، یونیورسٹی، نئی دہلی، 110067



2009

जवाहरलाल नेहरू विश्वविद्यालय
**JAWAHARLAL NEHRU UNIVERSITY**
Centre of Indian Languages
School of Language, Literature, & Culture Studies
NEW DELHI-110067, INDIA

Date. 28/07/09

**DECLARATION**

I declare that the work done in this dissertation entitled " **Qasida-e-Burda (Banat Suad) Aur Uske Urdu Trajim Ka Tajziyati Mutala" (An Analytical Study of Qasida-e- Burda (Banat Suad) And it's Urdu Translation)** By me is an original work and has not been previously submitted for any other degree in this or any other University/Institution.

**Saud Alam**
(Research Scholar)

**Prof. Moinuddin A. Jinabade**
Supervisor
**CIL/SLL & CS/JNU**

**Prof. Chaman Lal**
Chairperson
**CIL/SLL & CS/JNU**

GRAM : JAYENU, TEL. : (91-011) 26717676, 26717557 Extn. : 4217, (D) 26704217 Fax : (91-011) 26717603, 26717586

# فہرست


پیش لفظ 2-1

باب اول 15-4

عربی ادب تاریخ و پس منظر

باب دوم 32-17

فن ترجمہ روایت اور طریقۂ کار

باب سوم 42-34

قصیدہ بانت سعاد

باب چہارم 109-44

قصیدۂ بانت سعاد کے اردو تراجم

حاصل مطالعہ 110

کتابیات 112

# پیش لفظ

دنیا کی معلوم تاریخ میں جس شخصیت پر سب سے زیادہ تحقیقی کام ہوا ہے وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی باکمال شخصیت ہے۔ آپؐ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر تحقیق کرنے والے مصنفین کی ایک بڑی تعداد ہے، ان میں مسلم اور غیر مسلم محققین دونوں ہی شامل ہیں، انہوں نے آپؐ کی زندگی کا مختلف پہلوؤں سے مطالعہ کیا، آپؐ سے وابستہ یادگاروں کا تحقیقی جائزہ لیا نیز آپؐ کی طرف منسوب جملہ واقعات کی چھان پھٹک کا بیڑا بھی اٹھایا، پیش نگاہ تحریر جو میرا ایم۔فل کا مقالہ ہے، اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اس مقالہ کا موضوع آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے منسوب قصیدہ بانت سعاد ہے، ایک قصیدہ اور اس کے اردو تراجم کا جائزہ لیا گیا ہے۔

مقالے میں قصیدہ بانت سعاد کے منثور و منظوم اردو تراجم کا بھرپور تجزیہ کیا گیا ہے، شروع میں مقدمہ اور مقالے کے آخر میں ''حاصل مطالعہ'' کے علاوہ مقالہ چار ابواب پر مشتمل ہے۔

پہلے باب میں عربی ادب کی تاریخ و پس منظر بیان کیا گیا ہے، شعر جاہلی کی اہمیت اور مختلف زاویوں سے اس کی قدر و قیمت کا جائزہ لیا گیا ہے نیز قصیدۂ بردہ کی روایتوں سے بھی اس باب میں بحث کی گئی ہے۔

دوسرا باب ترجمے کی روایت اور طریقۂ کار پر مبنی ہے، اس میں ترجمے کی روایت اور طریقۂ کار کے بارے میں تفصیلی گفتگو کی گئی ہے، ترجمے کے مسائل کا بھی جائزہ لیا گیا ہے، خاص طور سے عربی سے اردو میں ترجمے کے مسائل کو موضوعِ بحث بنایا گیا ہے، عالم کاری کے پس منظر میں تہذیبی مغائرت سے اٹھنے والی لہروں نے ترجمے کے بارے میں جو عالمگیر مسائل پیدا کئے ہیں، ان پر بھی خامہ فرسائی کی گئی ہے، عربی کہاوتوں، روزمرہ کے تشبیہات و استعارات وغیرہ کے ترجمے کی تکنیک کو بھی پیش کیا گیا ہے۔

تیسرے باب میں قصیدہ بانت سعاد کے تاریخی تناظر کو واضح کرتے ہوئے اس کا تفصیلی تعارف پیش کیا گیا ہے، اس باب میں قصیدہ زیر مطالعہ کا ادبی محاکمہ بھی شامل ہے۔

مقالے کے چوتھے باب کا عنوان 'قصیدۂ بانت سعاد کے اردو تراجم' پر ہے، اس میں باب کے شروع میں قصیدہ کے تراجم و تشریحات پر مختصراً روشنی ڈالی گئی ہے، بعد ازاں اس کے منثور و منظوم تراجم کا جائزہ لیا گیا ہے، منثور اور منظوم تراجم کا علیٰحدہ علیٰحدہ تجزیہ کرنے کے بعد دونوں کا تقابلی مطالعہ کیا گیا ہے۔ دونوں طرح کے ترجموں

پر مختلف حیثیتوں سے گفتگو کی گئی ہے نیز دونوں کے مسائل اور مترجمین کی مجبوریوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، کسی ایک ترجمے کو دوسرے پر فوقیت دینے کا سبب بھی بیان کیا گیا ہے اگر منثور و منظوم تراجم میں کہیں کہیں تضاد نظر آیا ہے تو اس پر بھی بحث کی گئی ہے۔ بعینہ اگر کسی ترجمے میں کوئی کمی رہ گئی ہے تو اس کی طرف بھی اشارہ کیا گیا، تقابلی مطالعے میں ہم نے ہر شعر کے ترجمے کا دوسرے شعر سے موازنہ نہیں کیا ہے بلکہ مجموعی طور پر تقابلی مطالعہ کیا گیا ہے۔

یہ ایک طالب علمانہ کوشش ہے، ہم نے اس میں صرف ونحو کی بحثوں میں پڑنے سے اجتناب کیا ہے۔

سب سے پہلے ہم اس اللہ عظیم کا شکر ادا کرتے ہیں جس کی توفیق ارزانی سے یہ کام پایۂ تکمیل تک پہنچا، بعد ازاں ہم اپنے مشفق نگراں پروفیسر معین الدین جینابڑے کے مشکور ہیں، جنہوں نے نہ صرف مقالے کا موضوع تجویز کیا بلکہ مقالے کا پورا خاکہ تیار کیا، مقالے کی تسوید میں قدم قدم پر رہبر کی رہنمائی شامل ہے۔

بڑی ہی ناسپاسی ہوگی اگر ہم اپنے ان اساتذہ اور طالب علم بھائیوں کا شکریہ ادا نہ کریں جنہوں نے مواد کی فراہمی سے لے کر اس مقالے کی تیاری تک ہمارا کسی بھی قسم کا تعاون کیا، خاص کر میں عطاء اللہ سنابلی جنہوں نے ہر طرح سے ہمارا ساتھ دیا ان کا میں احسان مند ہوں۔ عزیز دوست سرفراز کا بھی شکر گزار ہوں، ان کے علاوہ برادرم اقبال ضیاء، رغبت شمیم، رضا علی اور فرید احمد کو بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا جو گاہے بگاہے ہماری حوصلہ افزائی کرتے رہے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے ان سبھی محسنین کو اجر عظیم سے نوازے۔ آمین!

سعود عالم
لوہت ہاسٹل
جواہر لعل نہرو، یونیورسٹی
نئی دہلی

## باب اول

# عربی ادب تاریخ و پس منظر

عربی ادب کا تاریخی پس منظر بہت دور تلک جاتا ہے، اس کی کڑیاں آدم ثانی نوح کی اولاد سام سے ملتی ہیں، اسی لئے اس زبان کو بنی سام کی زبان بھی کہا جاتا ہے۔ یہ وہ نسل ہے جو جزیرہ عرب کے مختلف گوشوں میں پھلی پھولی ہے۔

عربی ادب کی قدیم وجدید تاریخ میں ہم آہنگی پیدا کرنے نیز اس کی تاریخی روایت کو سمجھنے کے لئے عربی ادب کے ان ادوار کا مطالعہ نہایت ہی ضروری ہے جن میں ناقدین ادب اور مؤرخین نے اس زبان وادب کی تاریخ کو تقسیم کیا ہے۔ ذیل میں عربی ادب کے ان ادوار کو قدرے اختصار کے ساتھ بیان کیا جارہا ہے۔

**عربی ادب کے ادوار:-** مؤرخین وناقدین نے عربی ادب کے ادوار کو ذیل کے چھ حصوں میں تقسیم کیا ہے:

**(۱) جاہلی دور:-** اس دور کا آغاز اس وقت سے ہوتا ہے جہاں سے زمانہ جاہلیت کی شاعری کا اولین شعر ظہور پذیر ہوتا ہے۔ یہ مہلہل بن ربیعہ اور امرؤالقیس کا زمانہ ہے جس کی ابتدا ظہور اسلام سے ایک سو پچاس سال پہلے ہوئی ہے اور انتہا اسلام کے ظہور اور عربی ادب پر اسلامی اثرات کے ساتھ ہوئی ہے۔

**(۲) اسلامی دور:-** یہ دور عربی ادب پر اسلام کے اثرات نمایاں ہونے کے وقت سے شروع ہوتا ہے اور خلفائے راشدین کی خلافت کے خاتمے کے ساتھ اس عہد کا بھی خاتمہ ہوجاتا ہے جس کی تحدید ۴۱ ہجری ہے۔ اس عہد کے عربی ادب کے جملہ گوشوں اور اصناف پر اسلامی رجحانات کا غلبہ پایا جاتا ہے۔

**(۳) اموی دور:-** اس عہد کا آغاز ۴۱ھ سے ہوتا ہے اس دوران زمام خلافت بنوامیہ کے ہاتھوں میں تھی۔ ۱۳۲ھ میں اس خلافت کے خاتمے کے ساتھ عربی ادب کے اس عہد کا بھی قصہ تمام ہوتا ہے۔ اس دور کے ادب میں سیاسی رجحانات کی بکثرت نمائندگی ملتی ہے، نیز قبائلی عصبیت اور اجداد پرستی کی جس لعنت کا اسلامی دور میں خاتمہ کردیا گیا تھا وہ عصبیت اس عہد کے شعر ونثر میں کسی قدر لوٹ آئی ہے۔

**(۴) عباسی دور:-** اس دور کو اسلامی علوم وفنون کی تاریخ میں سنہری دور سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس میں زبان وادب کی خوب ترقی ہوئی اور مختلف قسم کے علوم وفنون ظہور پذیر ہوئے، اس عہد کا آغاز ۱۳۲ھ میں بنو عباسیہ کے زمام اقتدار سنبھالنے سے ہوتا ہے اور ۶۵۶ھ میں ہلاکو کے ہاتھوں سقوط بغداد کے سانحے کے ساتھ اس کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔

اس دور کو تین مرحلوں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

۱ ۱۳۲ھ سے ۲۳۲ھ تک

۲ ۲۳۲ھ سے ۴۴۷ھ تک

۳ ۴۴۷ھ سے ۶۵۶ھ تک

پہلے مرحلے میں عربی ادب میں مختلف قسم کے فنون واصناف کا اضافہ ہوا، دوسرے مرحلے تک پہنچتے پہنچتے ان میں پختگی پیدا ہوئی اور تیسرا مرحلہ ان کے زوال سے عبارت ہے، اس زوال میں سیاسی انتشار اور بیرنی حملوں بالخصوص منگولوں کی تباہ کاریوں کا بہت بڑا ہاتھ رہا ہے۔

**(۵) طوائف الملوکی کا دور:-** جب بغداد پر تاتاریوں کا تسلط ہوجاتا ہے مرکز خلافت بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجادی جاتی ہے تو طوائف الملوکی کا دور دورہ شروع ہوجاتا ہے، جس میں تاتاری دادحکومت دیتے ہیں تو کہیں عثمانی ترکوں کی کشورکشائی وجہانبانی دکھائی دیتی ہے اور مملوکوں اور سلجوقیوں کے ہاتھوں میں زمامِ اقتدار نظر آتی ہے.....اس طوائف الملوکی اور انتشار میں عربی ادب اور ادبی فن پارے گم ہوکر رہ جاتے ہیں..... یہی احوال اور یہی ایام اس دور کا تعین وتحدید کرتے ہیں۔ اس دور کا خاتمہ اسی وقت ہوتا ہے جب عربی ادب پر مغربی تہذیب وثقافت کے اثرات نمایاں طور پر ابھر کر سامنے آتے ہیں۔ اس عہد کو عربی ادب کی تاریخ میں جمود اور رکاکت کا دور کہا جاتا ہے اور سیاسی سطح پر بعض مستشرقین بالخصوص ''لوماس'' نے اسے عہد اسلامی کی ''شبِ تاریک'' سے موسوم کیا ہے۔(۱)

**(۶) دورجدید:-** اس دور کا آغاز تیرہویں صدی ہجری کے اوائل سے ہوتا ہے جب عرب ممالک میں اصلاحی تحریکیں اٹھنے لگیں۔ ان تحریکوں میں محمد بن عبدالوہاب، جمال الدین افغانی اور سنوسی کی تحریکیں بطور خاص قابل ذکر ہیں، یہ دور آج تک قائم ہے اس میں عربی زبان وادب کو اقتصادی، سیاسی اور اجتماعی نقطۂ نظر سے عالمی شہرت اور ہمہ گیر ترقی ملی۔ نپولین بوناپارٹ کے مصر پر ۱۷۹۸ء حملہ کے بعد پیدا ہونے والے نشأۃ ثانیہ کی وجہ سے عربی زبان وادب میں زبردست تبدیلی اور انقلاب آیا۔ مصر، لبنان، شام اور عراق کے مختلف ارباب علم وفن فرانس، امریکہ، اسپین، جرمنی وغیرہ میں پھیل گئے، انہوں نے مغربی ادب کا بغور مطالعہ کیا۔ اس عہد میں رومانیت، حقیقت نگاری، علامت نگاری، تجریدیت، جدیدیت، رمزیت جیسے مختلف ادبی رجحانات نے عربی ادب میں جگہ پائی۔(۲)

یہ ان ادوار کا اجمالی ذکر ہے جن سے گزر کر عربی ادب اپنی موجودہ شکل میں ہے۔ یہ عربی ادب کی خصوصیت بلکہ اس کا معجزہ ہے کہ مرور ایام اور گردشِ زمانہ اسے مٹا سکا نہ ہی قدیم اور ابتدائی زبان وادب پر تحریف وتجہیل کی چادر چڑھائی جا سکی۔ اس کی فصاحت وبلاغت انہیں تراکیب اور کلمات کے ساتھ آج بھی مسلم ہے جنہیں جاہلی دور میں فصاحت وبلاغت ہونے کا رمز شناس کہا گیا تھا، آج بھی ان اشعار اور نثری فن پاروں کو ادب میں وہی مقام ہے جو زمانہ قدیم میں صدیوں پیشتر تھا۔ اس کی عظمت آج بھی اسی طرح تابندہ وپائندہ ہے جیسے ماضی کے ادوار میں تھی۔ ہاں اتنا ضرور ہوا ہے کہ ادب کے مقاصد واغراض میں وسعت پیدا ہوئی۔ اسلوب بیان میں تبدیلی آئی لیکن اس نے ماضی کی خوبیوں پر کوئی پردہ نہیں ڈالا بلکہ قدیم وراثت اور پرانی روایت میں بیش قیمت اضافے کا سبب بنی اور یہ سب تبدیلیاں اور خصوصیات مذکورہ بالا ادوار ہی میں حاصل ہوئیں۔

**عربوں کا تصور شعر:** مؤرخین کا کہنا ہے کہ شعر گوئی میں عربوں کا کوئی ہم پلہ نہیں اسے اشعر الأمم یعنی سب سے زیادہ شعر کہنے والی قوم کہا گیا ہے۔(۱) یہ اشعار اپنے آپ میں بلند پایہ مقام رکھتے ہیں۔ دراصل شعر ان کے جذبات، کارناموں، مفاخر ومآثر، ان کی خوبیوں اور عادات واطوار کا بھرپور ترجمان رہا۔ شعر کے جھروکوں سے عربوں کی نفسیات ہویدا ہوتی ہے، ان کے شعری دواوین اور مجموعوں میں ان کی بہادری، عظمت، جنگ وجدل، کرم ووفاء، جود وسخاء اور ان کے علوم وفنون قلم بند کئے گئے ہیں، اسی لئے مؤرخین ادب نے شعر کو ''عربوں کا دیوان'' کہا ہے، جیسا کہ ابو ہلال العسکری رقمطراز ہیں:

ولا تعرف أنساب العرب، وتواريخها وأيامها
ووقائعها الا من جملة أشعارها ، فالشعر ديوان
العرب، وخزانة حكمتها، ومستنبط آدابها،
ومستودع علومها.....(۲)

یعنی عربوں کے نام ونسب، ان کی تاریخ، جنگی واقعات صرف ان کے اشعار ہی کی بدولت جانے جاتے ہیں، گویا شعر عربوں کا دیوان، ان کی حکمتوں کا خزانہ، ان کے آداب کا مصدر اور ان کے علوم کا مرجع ہے۔

دنیا کی ہر ایک قوم اپنے کارناموں اور اپنی تاریخ کو زندہ وجاوید بنانے کی کوشش کرتی ہے، اس کے لئے مختلف طریقے اختیار کرتی ہے اور عربوں نے شعر کے سہارے اپنی تاریخ کو زندہ وجاوید بنانے کی کوشش کی ہے، جیسا کہ مؤرخین رقمطراز ہیں:

"قال ابن الهيثم ابن الكلبي وأبوعبيدة: فكل أمة تعتمد في استيفاء مأثرها، تحصين مناقبها، على ضرب من الضروب، وشكل من الاشكال، وكانت العرب في جاهليتها تحتال في تخليدها بأن تعتمد ذالك على الشعر الموزون والكلام المقفى، وكان ذلك هو ديوانها....."(۳)

ابن الہیثم، ابن کلبی اور ابوعبیدہ کہتے ہیں کہ دنیا کی ہر قوم اپنے کارناموں کو باقی رکھنے اور اپنی خوبیوں کو قائم رکھنے کی کسی نہ کسی شکل میں کوشش کرتی ہے اور زمانۂ جاہلیت میں عربوں نے اپنے کارناموں کو دوام بخشنے کے لئے شعر موزون اور مسجع و مقفیٰ کلام کا سہارا لیا، چنانچہ شعر ہی ان کا دیوان حیات بن گیا۔

عربوں کی شاعری میں ان کی سیاسی، سماجی، معاشرتی، حضری و بدوی تہذیب، ان کا طرز بود و باش، رہن سہن ان کی نفسیات، ان کے اخلاق و اقدار..... سب کچھ پاتے ہیں۔ شعر ہی کی بدولت عربوں کی قدیم تاریخ تک ہماری رسائی و رہنمائی ممکن ہے، اگر یہ اشعار نہ ہوتے تو عربوں کا ماضی نسیان کی نذر ہو چکا ہوتا، عرب قوم کی تاریخ کا وہ حصہ جو دراصل اسلام کے تاریخی پس منظر کو واضح کرتا ہے اب تک معدوم ہو چکی ہوتی اور اسلامی تاریخ کے بھی کچھ پہلو واضح نہ ہو پاتے..... اسی لئے شعر جاہلی کو نہایت ہی اونچا مقام حاصل ہے۔ شعر کے ساتھ ساتھ شعراء کو بھی زمانۂ جاہلیت میں بلند مقام حاصل تھا۔ ان کو قبیلے کا ترجمان اس کا محافظ، اس کی فضیلتوں کا پاسبان، اس کے بہادروں کے کارناموں کو دوام عطا کرنے والا اور ان کی عظمت و سطوت کا دبدبہ قائم کرنے والا سپاہی کہا جاتا تھا۔ اسی لئے عربوں کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ صرف تین موقعوں پر ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے تھے۔ ایک جب کسی کے یہاں بچہ پیدا ہوتا تھا، دوم جب کسی قبیلے میں کوئی شاعر ابھرتا تھا، سوم جب کوئی قبیلہ کسی شہسوار کو جنم دیتا تھا۔ جیسا کہ ابن رشیق القیروانی رقمطراز ہیں:

"وكانوا لا يهنئون إلّا بغلام يولد أو شاعر ينبع أو فرس تنتج" (٥)

کہ وہ صرف بچے کی ولادت، شاعر کی نبوغت اور گھوڑ سوار کے پیدا ہونے پر ہی ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے تھے۔

## شعر جاہلی کے مختلف اصناف اور ان کی خصوصیات

دنیا کی معلوم تاریخ میں شعر کی تین قسمیں زیادہ پروان چڑھی ہیں، ملحمی (Eptique) تمثیلی (Daramatic) اور غنائی (Lyric) اول الذکر دونوں اقسام عربوں کے یہاں شاذ و نادر ہی پائے جاتے ہیں، جہاں تک تیسری قسم یعنی شعر غنائی کی بات ہے تو اس شعر کا وجود عربوں کے یہاں زمانۂ جاہلیت ہی سے تھا۔ عربوں کے جو اشعار ہم تک پہنچے ہیں ان میں سے زیادہ تر اشعار اسی قبیل کے ہیں۔ شعر غنائی ان قصیدوں کو کہتے ہیں جو متوسط الطّول قصائد پر مبنی ہوتے ہیں۔ یہ عام طور سے گائے جانے کے قابل ہوتے ہیں۔ اس قسم کو جاہلی دور میں پھلنے پھولنے اور رواج پانے کا کافی موقع ملا، غنائی شعر میں عرب شعراء کا رول سب سے زیادہ نمایاں ہے۔ دراصل عربی شاعری کا آغاز اونٹوں کی چال سے پیدا ہونے والی آواز اور لے سے ہوا ہے۔ اس لئے غنائیت ان کی قصیدوں اور غزلوں میں بکثرت نظر آتی ہے۔

غنائی شعر مختلف مقاصد اور اغراض کے تحت کہے جاتے ہیں، جو حسب ذیل ہیں:

۱۔ حماسہ

۲۔ مدح

۳۔ مرثیہ

۵۔ وصف

۶۔ غزل (نسیب یا تشبیب)

۷۔ فخر

۸۔ ہجو

مذکورہ بالا مقاصد کے لئے زمانۂ جاہلیت میں شعر غنائی کا استعمال ہوا چنانچہ انہوں نے بہادری کی تعریف میں شعر کہے تو بہادری کی تاریخ رقم کر دی۔ مدح سرائی پر اترے تو تشبیہات و کنایات، بلاغت و معانی اور بیان کی مدد سے تعریف و ستائش کی مثال قائم کر دی۔ مرثیہ گوئی کی طرف متوجہ ہوئے تو شامِ رنگین اور زندگی کی بہاروں میں حزن و ملال اور الم کی داستانیں بکھیر دیں، کسی کے ہجو پر اتر آئے تو مخالف کو سراپا شر بنا دیا، وصف و توصیف کی طرف متوجہ ہوئے تو بہاروں، صحراؤں، ریگستانوں، کوہساروں، نخلستانوں، راتوں، کھنڈرات، برساتوں، خشک

سالیوں، گھوڑوں، اونٹوں، حسیناؤں، دوشیزاؤں اور اپنے آثار میں وصف بیانی کا وہ جادو جگایا کہ دنیا انگشت بدنداں رہ گئی۔

ان کے بہادری اور حماسہ کے اشعار اپنی مثال آپ ہیں، عمرو بن کلثوم اور عنترہ بن شداد کے قصیدوں میں عربوں کی شب وروز کی زندگی میں بہادری کی صحیح قدرو قیمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر عمرو بن کلثوم کا ایک شعر ملاحظہ فرمائیں:

إذا بلغ الفطام لنا صبيى

تخر له الجبابرة ساجدينا (٦)

(ترجمہ) ''کہ ہمارے قبیلے کا بچہ بھی جب مدت رضاعت کو پورا کر لیتا ہے کہ تو بڑے بڑے جبابرہ اور طرے والے بھی اس کے سامنے سجدہ ریز ہوجاتے ہیں''۔

اگر مدح کی بات کی جائے تو شاعر تعریف وستائش میں زمین وآسمان کے قلابے ملاتا نظر آتا ہے، لیکن یہاں یہ بات یادرکھنی چاہیے کہ جاہلی دور کا عرب شاعر جھوٹی تعریفیں بہت ہی کم کرتا ہے۔ جس کی بنیادی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ اس عہد کا شاعر طفیلی نہیں ہوا کرتا تھا۔

مرثیہ گوئی میں عرب کی شاعرہ خنساء کا کون ہم پلہ ہوسکتا ہے، دنیا کی معلوم تاریخ میں خنساء کا کوئی ثانی نہیں مل سکتا، خنساء کی مرثیہ گوئی میں حزن ویاًس بھی ہے الم بھی، خاندانی شرافت اور کارناموں پر فخر بھی ہے اور صبر وشکیبائی کی تلقین بھی ملتی ہے۔ علاوہ ازیں متمم بن نویرہ، ابن الرومی اور ابوالحسن التہامی بھی مرثیہ کے عظیم شاعر گزرے ہیں۔

جہاں کا ہجو کا تعلق ہے تو عربی میں اس کی اہمیت بھی دوسری اصناف سے کم نہیں، دراصل عربوں میں شاعر کی اہمیت ہجو کی وجہ سے بھی جانی جاتی تھی، چنانچہ جب کوئی قبیلہ کسی دوسرے قبیلے پر کوئی زیادتی کرتا تھا تو ہجو کے ذریعہ وہ اس کی خبر لیتے تھے۔ ایک شاعر کے بارے میں یہ ذکر آتا ہے کہ کسی سردار نے اس کے ریوڑ کے کچھ جانور ہانک لئے، جب سردار کو پتہ چلا کہ وہ ایک شاعر کے جانور ہیں تو انہیں واپس بھیج دیا کہ مبادا کہیں اس کی ہجو نہ کہہ دے۔

اگر وصف اور توصیف کی بات کریں تو عرب شعراء اس کے امام نظر آتے ہیں جب جاہلی شعر میں وصف کا تتبع اور استقراء کیا جاتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ وصف گوئی شعراء کی طبیعت اور شرست میں داخل تھی، وہ اپنے ماحول کی وصف گوئی کرنے کے ساتھ ساتھ چرند پرند کی بھی وصف بیان کرتا ہے دوشیزاؤں اور اپنے محبوب کے سراپا کو بیان

کرنے میں یدطولیٰ رکھتا ہے۔طول شبِ ہجراں کو بیان کرتے ہوئے مشہور جاہلی شاعر امرؤالقیس یوں سخن نواز ہے۔

ولیل کموج البحر أرخی سدولہ

علیّ بأنواع الہموم لیبتلی(۷)

(ترجمہ)''سمندر کی موجوں کی مانند یہ راتیں رنج والم کے جملہ انواع کے ساتھ ہم پر اپنی بانہیں پھیلا چکی ہیں اور یوں ہماری آزمائش ہورہی ہے''۔

فارسی اور اردو کی طرح غزل عربی ادب میں علیحدہ صنفی حیثیت نہیں رکھتی، تاہم قصیدہ کی تشبیب کو عرب میں غزل کہا جاتا رہا ہے۔قصیدہ عرب شعراء کا خاص مقصد رہا ہے، یہاں تک کہ دنیا کی دیگر زبانیں بھی غزل گوئی کی اس قدیم عربی روایت سے متاثر ہوئی بالخصوص اردو اور فارسی غزل پر عربی غزل کی چھاپ نظر آتی ہے،غزل کے یہ اشعار اپنی عفت کی وجہ سے بھی ممتاز ہیں، بعد کے زمانے میں بالخصوص عہد عباسی میں رواج پانے والی شاعری کے بالمقابل اس (جاہلی) دور کی شاعری میں یہ خوبی زیادہ پائی جاتی ہے۔چنانچہ''غزل عفیف''اسی عہد کی پیداوار ہے۔

## نثر جاہلی کے مختلف اصناف اور ان کی خصوصیات

جاہلی دور میں نثر کی اہمیت شعر سے کم رہی، لیکن نثر بے وقعت نہیں تھی۔عربی زبان کی بلاغت وفصاحت اور قواعد میں جاہلی دور کے نثری کلام مرجع کی حیثیت رکھتے ہیں۔اس دور کی نثر پر مسجع ومقفیٰ عبارتوں کا بھرپور غلبہ ہے۔کلاسیکل نثر کی ابتدا بھی دراصل یہیں سے ہوتی ہے۔

زمانہ جاہلیت یا جاہلی دور میں جن نثری فنون کو نثر کا رواج ملا ان میں سے چند حسب ذیل ہیں:-

۱۔ خطابت

۲۔ ضرب الامثال

۳۔ حکمتیں/اقوال زریں

۳۔ وصیت نامے

۴۔ کہانیاں

اس دور میں خطابت کو سب سے زیادہ رواج ملا، مختلف مناسبات اور موقعوں پر خطبے دیئے جاتے تھے۔خطبہ

وہی دیتا تھا جس کو زبان و بیان پر خوب دسترس حاصل ہوتی تھی۔ وہ فصاحت کو خطابت کا رکن اور بلاغت کو اس کی دانش قرار دیتے تھے۔ خطابت کو سیاسی مقاصد کے علاوہ سماجی اور تفریحی مقاصد کے لئے بھی بروئے کار لایا جاتا۔ بہت سارے اہل زبان بادشاہوں، سرداروں اور امراء وسلاطین کے دربار میں بھی جاتے تھے اور خطابت کے زور سے اپنی قوم اور قبیلے کی نمائندگی کرتے تھے۔

جہاں تک ضرب الامثال کی بات ہے، مثال دینا، مثال پیش کرنا عربوں کے یہاں کافی مقبول رہا ہے۔ امثال کی روایت عربوں کے یہاں زمانۂ قدیم ہی سے پائی جاتی تھی۔ ان کے اشعار میں اور خطبوں میں امثال کا بھی استعمال ہوتا رہا ہے۔ عام طور سے اس دور کے زیادہ تر ضرب الامثال کسی نہ کسی پس منظر میں کہے گئے ہیں۔ ''جمہرۃ الامثال'' نامی مشہور اور ضخیم کتاب اسی موضوع پر لکھی گئی ہے۔

اس عہد کے نثری فنون میں ایک فن ''حکمت'' بھی ہے۔ کم الفاظ میں معانی ومطالب کے دریا بہا دینا اس صنف کی اہم خصوصیت ہے۔ مؤرخین کا کہنا ہے کہ اختصار عربوں کی شرست میں داخل تھا۔ وہ ایجاز واختصار کے قائل تھے۔ بالخصوص بدوی لوگ نہایت ہی مختصر الفاظ میں اپنی باتیں رکھنے کے قائل تھے۔(۸) اسی چیز نے حکمت کی بنیاد ڈالی۔ حکمت کی باتیں نثر نگاروں کے خطبوں سے لے کر شاعروں کے قصیدوں تک میں بکھری ہوئی ہیں۔ یہی وجہ ہے جاہلیت کے مشہور خطیب قیس بن ساعدہ ایادی کو حکیم العرب کہا گیا تو زہیر بن ابی سُلمیٰ نامی مشہور شاعر کو شاعر حکمت کہا گیا ہے۔

عربوں کے یہاں ''وصیت نامے'' کا بھی زمانہ قدیم سے رواج رہا ہے، وصیت ناموں میں نہایت ہی بلیغ کلام اور مؤثر جملوں کا استعمال ہوتا تھا، مسجع ومقفیٰ عبارتیں اس کی اہم خصوصیت ہیں۔

جہاں تک کہانیوں کی بات ہے یہ بدوی تہذیب کی پرانی روایت کے حوالے سے کافی معروف ہیں، عرب کے لوگ بالخصوص بدوی تہذیب کے باشندے اکثر راتوں میں قصہ گوئی کرتے تھے۔ اس عہد کی کہانیوں میں مسجع ومقفیٰ عبارت کے سہارے تفریح طبع کا سامان فراہم کیا جاتا تھا۔ یہ کہانیاں تسلی دینے، دل کو راحت وفرحت بخشنے، دن بھر کی تھکان کو دور کرنے اور ذہن کو آرام پہنچانے کا کام کرتی تھیں۔

# قصیدہ بردہ کی روایتیں

جاہلی دور میں جن شعراء کو شہرت ملی، ان میں معروف شاعر زہیر بن ابی سلمٰی کے بیٹے کعب بن زہیر بھی ہیں، کعب بن زہیر نے زمانۂ جاہلیت اور اسلامی دور دونوں ہی زمانے پائے، آپ اسلام کی دولت سے مشرف بھی ہوئے، اسی لئے انہیں مخضرم شاعر کہا جاتا ہے۔ کعب بن زہیر نے نبی آخرالزماں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایک قصیدہ لکھا جسے قصیدہ بردہ کہا جاتا ہے۔

''قصیدہ بردہ'' کے نام سے دو قصیدے مشہور ہیں۔

روایت اول : قصیدہ بردہ ''بانت سعاد''

روایت ثانی : قصیدہ بردہ

بردہ دراصل چادر کو کہتے ہیں، اس کا اطلاق ایسے پہناوے پر بھی ہوتا ہے جو جسم کی مکمل ناپ پر نہ تراشا گیا ہو، بردہ یہاں قصیدے کا نام ہے، اس کی مذکورہ بالا دو روایتیں ہیں، جس میں سے ایک کی ابتدا ''بانت سعاد'' سے ہوتی ہے۔ یہی نہیں بلکہ عربی زبان میں کم از کم نو سو قصیدے ایسے کہے گئے ہیں جن کی ابتداء ''بانت سعاد'' سے ہوتی ہے۔ (۱۰) ان میں سب سے زیادہ شہرت انہیں دونوں روایتوں کو ملی۔ دونوں قصیدوں کی وجہ تسمیہ حسب ذیل ہے:

**پہلی روایت:-** قصیدہ بردہ کی پہلی روایت شاعر اسلام اور مداح رسول کعب بن زہیر بن ابی سلمٰی سے متعلق ہے۔ انہوں نے جب اسلام کا شہرہ سنا اور مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کر کے آئے ہوئے ایک خانماں برباد قافلے کی زبانی اسلامی انقلاب کے بارے میں سنا تو حقیقت معلوم کرنے کے لئے اپنے بھائی بجیر کو مدینہ بھیجا، بھائی نے یہاں پہنچ کر اسلام قبول کر لیا جس سے ناراض ہو کر غصے کے عالم میں کعب نے اسلام اور اہل اسلام کے متعلق کچھ نازیبا اشعار لکھ کر بھائی کے پاس بھیجے اور لوٹ آنے کو کہا۔ آپ کو کعب کے ہجویہ اشعار سے سخت پہنچی اور آپ نے ان کے خون کو رائیگاں قرار دیا..... بالآخر انہوں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر اسلام قبول کر لیا اور یوں دولت ایمان سے سرفراز ہوئے۔ انہوں نے ایک معذرت نامہ بھی پیش کیا جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی کی اور اپنی سابقہ غلطی پر شرمندگی کا اظہار کیا، اسلام کی عظمت کا

اعتراف کیا اور قرآن پاک کو کتاب ہدایت کے طور پر تسلیم کیا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ادبی ذوق کی حامل شخصیت کے مالک تھے، آپ نے اس قصیدے کو سن کر کمال مسرت کا اظہار فرمایا اور دوش مبارک سے اپنی چادر (بردہ) اتار کر کعب بن زہیر کو پہنا دیا، اس کی وجہ سے اس قصیدے کا نام ''قصیدہ بردہ'' پڑ گیا۔(۱۱)

**دوسری روایت:**۔قصیدہ بردہ کی دوسری روایت علامہ بوصیری بربری سے متعلق ہے، انہوں نے بھی ایک قصیدہ رسول اللہؐ کی شان میں لکھا جس کا عنوان الکواکب الدریۃ فی مدح خیر البریۃ تھا۔ یہ قصیدہ بھی قصیدہ بردہ کے نام سے مشہور ہوا، اس نام کی شہرت کا سبب ایک معجزہ ہے۔ بوصیری ایک فالج زدہ انسان تھے انہوں نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ وہ آنحضورؐ کی شان میں قصیدہ کہہ رہے ہیں جس سے خوش ہو کر رسول اللہؐ نے ان کے شانوں پر اپنی چادر (بردہ) مبارک ڈال دی اور نیند کھلی تو کیا دیکھا کہ ان کی بیماری زائل ہو چکی ہے اور فالج کا اثر ختم ہو گیا ہے۔ اس معجزانہ شفایابی کی خبر دور دور تک پہنچ گئی، روایت کے مطابق اور اسی کے ساتھ اس قصیدے کی شہرت بھی دور دور تک پہنچی۔

عربی کی کسی نظم کو ایسی شہرت حاصل نہیں ہوئی، یہ نہایت ہی مقبول قصیدہ ہے، اس کی نوے سے زیادہ شرحیں عربی، فارسی، ترکی، بربر اور اردو میں لکھی جا چکی ہیں۔ اس کی تخمیس اور تثلیث میں جو نظمیں لکھی گئیں ہیں ان کا شمار نہیں ہو سکتا۔ قدیم عربی شاعری کے اسلوب کے مطابق یہ قصیدہ بھی نسیب ہی سے شروع ہوتا ہے نسیب کے بعد شاعر اپنی جوانی ضائع کر دینے پر اظہار تأسف اور اپنی تقصیروں کا اعتراف کرتا ہے، اس کے بعد وہ رسولؐ کے فضائل بیان کرتا ہے، آپ کے معجزات کا بھی تذکرہ کرتا ہے۔ قصیدہ کا اختتام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مناقب ونعت پر ہوتا ہے اور آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں ایک التجا ہے۔

اس طرح اس قصیدے کے کل دس اجزاء اور ایک سو پینسٹھ (۱۶۵) ابیات ہیں جن کی ترتیب وتفصیل حسب ذیل ہے۔

- مطلع کے کل اشعار بارہ (۱۲) ابیات پر مشتمل ہیں۔
- نفس وخواہشات اور اپنی جوانی کی بربادی کے بارے میں سولہ (۱۶) ابیات کہے ہیں۔
- نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں تینتیس (۳۳) ابیات کہے ہیں۔
- ولادت نبی سے متعلق گیارہ (۱۱) اشعار ہیں۔
- آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور وحی کے بارے میں بائیس (۲۲) ابیات ہیں۔

- قرآن مجید سے متعلق چودہ (۱۴) ابیات ہیں۔
- اسراء اور معراج کے حوالے کے موضوع پر گیارہ (۱۱) ابیات ہیں۔
- اللہ کے رسول اور صحابہ کے غزوات کے بارے میں چوبیس (۲۴) ابیات کہے ہیں۔
- استغفار اور طلب حوائج کے ابیات کی کل تعداد ۱۲ ہے۔
- مناجات پر مبنی دس (۱۰) ابیات ہیں۔

قصیدہ بردہ کی ان دو روایتوں میں تمیز کرنے کے لئے عرف عام میں کعب بن زہیر کے قصیدہ کو ''قصیدہ بانت سعاد'' اور بوصیری کے قصیدے کو ''قصیدہ بردہ'' کہا جاتا ہے۔(۱۲)

## حواشی باب اول

(۱) ڈاکٹر عبدالعزیز بن محمد الفیصل: الأدب العربی وتاریخہ (عربی) ص-۳۴-۳۶

(۲) یحییٰ جبوری: الإسلام والشعر، ط، ص۱۴ مطبعہ الارشاد، بغداد ۱۹۲۶ء

(۳) ابو ہلال عسکری: الصناعتین، ص،۱۰۴، ط، مصر ۱۳۲۰ھ

(۴) ابوعمرو عثمان جاحظ: کتاب الحیوان، ۱/۳۶

(۵) ابن رشیق قیروانی: العمدہ، ۱/۳۷

(۶) ابن رشیق قیروانی: المعلقات السبع، ص

(۷) ابن رشیق قیروانی: المعلقات السبع، ص

(۸) ڈاکٹر علی جندی: فی تاریخ الأدب الجاہلی، ص،۴۴۹

(۹) تفصیل کے لئے دیکھیں: ڈاکٹر عبدالعزیز بن محمد الفیصل: الأدب العربی وتاریخہ، ص:۲۱-۳۳

(۱۰) رئیس نعمانی: چراغِ نوا، ص،۵۸-۵۹

(۱۱) ڈاکٹر شوقی ضیف: تاریخ الأدب العربی، ناشر دار المعارف مصر ۱۱۱۹ھ قاہرہ، ص۸۴-۸۸

(۱۲) مولانا عبداللہ عباس ندوی: ردائے رحمت، ص۱۳، مکتبہ فردوس، مکارم نگر، لکھنؤ

پریس: اسکائی لائن پرنٹرس لکھنؤ، ۱۹۸۹

# باب دوم

# فن ترجمہ: روایت اور طریقۂ کار

# فن ترجمہ اور اس کے طریقۂ کار

ترجمہ ایک مستقل فن ہے اور بہت ہی محنت طلب یہ صبر آزما کام ہے اس کے لئے مترجم کو کافی محنت و جانفشانی کا سامنا کرنی پڑتی ہے اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ ایک مترجم کو بیک وقت کئی چیزوں پر دھیان دینا ہوتا ہے عبارت کا صرف لفظی یا مفہومی ترجمہ کر دینا ہی کافی نہیں ہے بلکہ مترجم کے لئے ضروری ہے کہ دونوں زبانوں کی بلاغت وفصاحت، اصطلاحات اور محاورے پر مکمل دسترس ہو ساتھ ہی ساتھ جس زبان میں ترجمہ کیا جارہا ہو اس زبان کی تہذیب وثقافت اور کلچر سے بھی بخوبی واقفیت رکھتا ہو۔ انہی تمام چیزوں کی بناء پر بعض ناقدین نے یہ کہا ہے کہ ایک زبان سے دوسری زبان میں خواہ نظم ہو یا نثر ترجمہ ناممکن ہے، بعض نے صرف شاعری کی قید لگائی ہے بعض نے کہا ہے کہ ترجمہ تو ہوسکتا ہے لیکن صرف لفظی ترجمہ درست ہے، بعض نے کہا صرف مفہوم ادا کر دینا ہی کافی ہے۔ نویں صدی عیسوی کے ایک عربی ادیب الجاحظ نے اپنی تحریروں میں جستہ جستہ ترجمہ کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار یوں کیا ہے:

> ''جہاں تک معانی کی خصوصیات کا تعلق ہے، حقائق کے مختلف پہلوؤں کا معاملہ ہے، ان کی خوبصورتی اور الفاظ کے صحیح جگہ اور صحیح مفاہیم میں استعمال کا سوال ہے، مترجم حضرات ہرگز وہ سب کچھ نہیں کہہ سکتے جو عقلمند حضرات (اصل مؤلف حضرات) سوچتے ہیں۔ ہر امکانی پہلو کو ذہن میں رکھنے کے باوجود مترجم حضرات ان افکار اور آراء کے ساتھ انصاف نہیں کر سکتے جن کو اصل عبارتوں میں وپایا جاتا ہے۔ خدا ان پر اپنی رحمت نازل کرے، کہاں ابن البطریق، ابن نعیمہ، ابوقرۃ، ابن فہد، ابن وہیلی اور ابن المقفع اور کہاں ارسطو اور کہاں خالد اور کہاں افلاطون۔''(۱)

اسی طرح شوپنہار کی رائے ترجمہ کے سلسلے میں کچھ اس طرح ہے:

> ''ترجمہ کے عمل میں ہم کو دراصل اس دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ کسی بھی ایک زبان کے ایک لفظ کا مکمل اور بھرپور بدل دوسری زبان میں مل نہیں سکتا۔''(2)

ایک ماہر اور تجربہ کار مترجم کے سامنے لغوی اور تعبیری دشواریاں بھی آتی ہیں اور ایک حد تک تجربہ کار مترجم ان تمام مشکلوں کو زبانوں کے قواعدی اصول کے ذریعہ حل بھی کر لیتا ہے۔ ایک مترجم کے لئے ضروری ہے کہ اس کے پاس لاتعداد تعبیروں کا ذخیرہ ہو اور ضرورت پڑنے پر ٹیکنکل تعبیروں کے لئے ڈکشنری سے مدد بھی لے سکتا ہے لیکن مترجم پر واجب ہے کہ وہ ڈکشنری کا کم سے کم استعمال کرے، اگر مترجم ایک دو فیصد سے زیادہ لغت کا استعمال کرتا ہے تو ترجمہ کرنے میں نہ صرف دقتیں آئیں گی اور وقت لگے بلکہ یہ ترجمہ کتنا صحیح ہوگا اس کے بارے میں کچھ کہنا مشکل ہے۔ اس سلسلے میں نیومارک نے اپنی رائے دی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

''مترجم کے پاس لاتعداد تعبیروں کا ذخیرہ ہونا چاہیے اور ہر دو زبان کے قواعدی اصولوں پر اس کی گرفت مضبوط ہونا چاہیے، اس کے علاوہ اس کے اندر ان دونوں عناصر کو ہنرمندی کے ساتھ استعمال کرنے کی قابلیت ہونی چاہیے۔ ترجمہ سے متعلق تمام مشکلوں کو حل کیا جاسکتا ہے اگر ہمارے اندر دوسری زبان میں صحیح طور پر لکھنے کی قابلیت ہو۔''(3)

یوجین نایدا نے بھی قواعد و اصول کو جاننے اور اس کو صحیح طور پر استعمال کرنے کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''مترجم کے لئے ضروری ہے کہ اس کی ہر دو زبان پر گرفت مضبوط ہو۔''(4)

مترجم کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ نفس مضمون نگار کے مذہب، کلچر اور سیاسی، سماجی اور جغرافیائی حالات سے واقف ہو اور ایک مترجم کے لئے یہ بات بہت ضروری ہے کہ اس نے ایک لمبے عرصے تک کسی کی سرپرستی یا نگرانی میں کام کیا ہو، کیونکہ تجربہ انسان کا سرمایہ ہے، اس موضوع پر بات کرتے ہوئے اشیت چکرورتی رقمطراز ہیں:

''لوگ ایسا سمجھتے ہیں کہ ہر وہ شخص جس کو زبانیں آتی ہیں مترجم بن سکتا ہے۔ ہر وہ شخص جو مترجم بننا چاہتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ ایک لمبے عرصے تک کسی تجربہ کار مترجم کی نگرانی میں کام کرے۔''(5)

ایک اچھے اور کامیاب ترجمہ کی علامت یہ ہے کہ ایک زبان میں محفوظ معانی اور مفاہیم کو پوری طرح سے

دوسری زبان میں اتار دیا جائے۔ ویسے ترجمہ کو ہم صحیح اور اچھا ترجمہ نہیں کہیں گے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

''ایک صحیح (یا اچھا) ترجمہ وہ ہے جس میں اصل عبارت کے معانی اور مفاہیم کو پوری طرح سمو دیا گیا ہو، جس کو پڑھ کر زبان ''ب'' کا بولنے والا اور ساتھ ہی ساتھ زبان ''الف'' کا بولنے والا بے ساختہ یہ کہے کہ ترجمہ میں اصل کی تمام خوبیوں کو پوری طرح اتارا گیا ہے۔''(6)

ایک دوسری رائے کچھ اس طرح ہے:

''ترجمہ کو اصل عبارت کا حاشیہ نہیں ہونا چاہیے، اگر اصل عبارت صرف اشارے کنایوں میں مفاہیم بیان کرے اور گنجلک ہو تو اس حالت میں مترجم کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ عبارت میں اپنی طرف سے وضاحت پیدا کرے۔''(7)

ایک تیسری رائے کچھ اس طرح ہے:

''ترجمہ کو اپنی اصل کے بالکل پاس پاس ہونا چاہیے، اس میں اصل کی تمام خوبیاں اور خصوصیات پورے طور پر موجود ہونی چاہئیں۔''(8)

''ساز مغرب'' کے مرتب اور مقدمہ نگار جناب حسن الدین احمد نے فنی اعتبار سے ترجمے کی مختلف قسموں پر بالتفصیل روشنی ڈالی ہے، ہم اختصار کے ساتھ ان کی تحریر قلمبند کرتے ہیں:

''جس طرح ترسیل کی مختلف سطحیں ہوتی ہیں اسی طرح ترجمے کی بھی مختلف قسمیں ہوسکتی ہیں، آسانی کے لئے ہم ان کی تین قسمیں قرار دے سکتے ہیں۔ ہر شعبہ میں ترجمہ کے ملحوظات جدا جدا ہیں، بہ الفاظ دیگر ہر نوعیت کے ترجمے کے طریقۂ کار اور اس کے فنی مطالبات مختلف ہوتے ہیں۔

پہلی قسم معلوماتی ادب، یعنی خالص علمی اور سائنسی متن کے ترجموں کی ہے، ان ترجموں کی حد تک مترجم کا کام معلومات کی ترسیل ہے، یعنی ایک زبان میں موجود معلومات کے ذخیرہ کو دوسری لسانی برادری تک پہنچانا ہوتا ہے۔ دوسری قسم تہذیبی سطح کے ترجموں کی ہے مثلاً افسانوں اور ناولوں کے ترجمے یہاں پر

مترجم کا کام بقول ڈاکٹر حسن ایک لفظ کی جگہ دوسرا لفظ صرف رکھنا مقصود نہیں
ہوتا ہے بلکہ ایک تہذیبی معنویت کو دوسری تہذیبی معنویت میں ڈھالنا ہوتا
ہے۔تیسری قسم خالص ادبی یا جمالیاتی سطح کے ترجموں کی ہے۔''(۹)

مذکورہ بالا تقسیم فنی لحاظ سے تھی اس کی دوسری تقسیم اصناف سے قطع نظر صرف ترجمہ کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ پہلا طریقہ یہ ہے کہ اصل عبارت کا لفظی ترجمہ کر دیا جائے، دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اصل عبارت یا مفہوم کو آزادی کے ساتھ دوسری زبان میں منتقل کر دیا جائے جب کہ تیسرے طریقے کے مطابق ترجمہ اصل عبارت کے عین مطابق ہونا چاہیے لیکن بالکل لفظی نہ ہونا چاہیے۔

ڈاکٹر محمد حسن نے ترجمہ کو لسانی اور تہذیبی مفاہمہ کا نام دیا ہے، یہ ایک ایسا آرٹ اور فن ہے جو زبردست ریاضت چاہتا ہے، ایک طرف مترجم کو جہاں یہ خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے کہ وہ علوم وادب کی کس شاخ وصنف کا ترجمہ کر رہا ہے وہیں دوسری طرف اسے اس نکتہ کی جانب بھی توجہ دینی پڑتی ہے کہ وہ جس عہد کے علوم وفنون کا ترجمہ کر رہا ہے، اس عہد کی تہذیبی روایات اور تمدنی اقدار کیا ہیں۔

مترجم کو ہمیشہ اس کا خیال رہنا چاہیے کہ وہ کام جو اس کے ہاتھ میں ہے اس کا اپنا نہیں ہے اس کی حیثیت ایک ترجمان کی ہے جس کا فرض قارئین اور مصنف کے درمیان ایک پل کا کام کرتا ہے۔

ترجمہ محض ایک زبان کے خیالات کو دوسری زبان میں پلٹ دینے کا نام نہیں ہے بلکہ خیالات اور احساسات کو اس ترتیب کے ساتھ منتقل کرنے کا نام ہے کہ مصنف نے کس جگہ پر زور دیا ہے، کہاں پر طنز ہے اور کہاں پر محاورہ ہے یا روزمرہ ہے وغیرہ وغیرہ اس میں الفاظ کا صحیح استعمال بڑی اہمیت رکھتا ہے، اگر ایسا کرنے میں مترجم ناکام رہا تو مرکزی خیال مجموعی تأثر اور خیال کی شدت تینوں چیزیں متاثر ہو سکتی ہیں۔ درحقیقت صحیح اور کامیاب ترجمے اسی صورت میں ممکن ہیں جب ہم لکھنے والے کے ذہن میں نہ صرف سفر کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں بلکہ ان کیفیات اور احساسات سے بھی گزر سکیں جو تصنیف کا ذریعہ بنی ہیں۔ ترجمہ محض ایک جسم کو دوسرا لباس پہنا دینے کا نام نہیں ہے بلکہ ایک جسم کے مقابلہ میں بالکل ویسا ہی جسم تراش کر اسے دوسرے لباس میں اس طرح لے آنا ہے کہ دونوں قالبوں میں ایک ہی روح ہو، یہاں لباس، جسم اور روح سے مراد ترجمے کی زبان، اصل عبارت کا مرکزی خیال اور وہ تأثر ہے جو پڑھنے کے بعد دل ودماغ میں قائم ہوتا ہے۔(۱۰)

# عربی سے اردو میں ترجمہ کی روایت

آج کی دنیا میں زبانوں کی مقبولیت، پھیلاؤ اور اہمیت کا دارومدار بڑی حد تک ان کے مفید ہونے پر ہے اور افادیت کا پیمانہ یہ ہے کہ کوئی زبان اپنے زمانے کے علمی سرمایے اور ادبی ذخیرے کو کس حد تک اپنے پڑھنے والوں تک پہنچانے کی اہل ہے۔

> ''اردو زبان کی خوش بختی ہے کہ اس نے ترجموں کی روایت کو ابتدا ہی سے اپنایا، اپنے دریچے باہر سے آنے والی ہواؤں کے لئے کھولے اور بین الاقوامی کلچر کے نقوش سے اپنی محفل کو آباد کیا۔'' (۱۱)

جہاں تک اردو زبان میں ترجمہ کے آغاز وارتقاء کا تعلق ہے اس کے بارے میں ماہرین کے مطابق وثوق سے کچھ کہنا مشکل ہے لیکن عام طور پر یہی تصور کیا جاتا ہے کہ اردو میں سب سے پہلی ترجمہ شدہ کتاب ملا وجہی کی ''سب رس'' تھی جو ۱۶۳۵ء میں منصۂ شہود پر آئی گویا اردو میں نثری تراجم کا آغاز ۱۶۳۵ سے ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ جو ترجمے شمالی ہند میں ہوئے وہ زیادہ تر تصوف سے متعلق تھے، میراں یعقوب نے ''شمائل الاتقیا'' کا اردو ترجمہ ۱۶۷۳ میں کیا تھا۔

TH-17825

شمالی ہند میں ترجمے کا دوسرا کام شاہ ولی اللہ محدث دھلوی کے صاحبزادے شاہ رفیع الدین نے ۱۷۷۶ء میں کیا یہ ''قرآن مجید'' کا لفظی ترجمہ تھا۔ قدرے وضاحت اور اختصار کے ساتھ ۱۷۹۰ء میں شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے ''قرآن حکیم'' کا دوسرا اردو ترجمہ پیش کیا، شاہ ولی اللہ قادری نے ۱۷۰۴ء میں شیخ محمود کی ایک فارسی تصنیف ''معرفت السلوک'' کا اردو ترجمہ کیا۔ اسی دور میں سید محمد فاروق کے ''طوطی نامہ'' کا اردو ترجمہ ہوا اور ملا حسین واعظ کاشفی کی ''روضۃ الشہداء'' کا اردو ترجمہ ۱۷۳۱ء میں فضلی نے ''دہ مجلس'' یا ''کربل کتھا'' کے نام سے کیا، ۱۷۹۸ء میں فارسی کے ''قصہ چہار درویش'' کا ترجمہ میر عطا حسین تحسین نے ''نوطرز مرصع'' کے نام سے کیا۔

۱۸ویں صدی عیسوی میں عربی، فارسی کے علاوہ انگریزی سے تراجم کا آغاز مذہبی کتابوں مثلاً بائبل کے ترجمے سے ہوا، یہ ترجمہ بجمن شلز نے ۱۷۴۸ء میں کیا تھا۔

اردو زبان میں ترجمہ کی روایت کو آگے بڑھانے میں دو سطحوں پر قابل قدر کوشش ہوئی ہے ایک طرف ترجمہ نگاری کی خدمت انجام دینے میں مختلف ادارے پیش پیش رہے ہیں، وہیں دوسری جانب انفرادی سطح پر بھی لائق تحسین کاوشیں ہوئیں، جس نے اردو زبان وادب کے سرمایے میں بیش قیمت اضافے کئے۔ افراد میں نواب شمس الامراء اور شاہ اودھ کا نام لیا جاتا ہے جبکہ اداروں میں فورٹ ولیم کالج، دہلی کالج اور دارالترجمہ عثمانیہ وغیرہ اہم ہیں۔ ان کے توسط سے جو ترجمے ہوئے اسے تین خانوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

- قانون سے متعلق کتابوں کا ترجمہ
- سائنسی وعلمی کتابوں کا ترجمہ
- ادبی کتابوں کا ترجمہ

انفرادی سطح پر نواب شمس الامراء نے انگریز مصنف ''ریوانڈ چارلس'' کے چند منتخب رسالوں کا ترجمہ کروایا جو سوال وجواب کے پیرائے میں پیش کیا گیا، ترجمے کی زبان صاف اور سلیس تھی، اس میں جو اصطلاحات استعمال ہوئیں وہ عربی اور فارسی کی تھیں۔

اردو میں ترجمے کا آغاز بلاشبہ دکن میں ہوا، لیکن اس کے فروغ میں شمال ہند کا اہم حصہ رہا ہے۔ ذیل میں مختلف اداروں کے حوالے سے فن ترجمہ نگاری کی روایت کا عہد بعہد جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔

**مدرسہ غازی الدین حیدر**

اس کی بنیاد ۱۷۹۲ء میں ڈالی گئی تھی، اردو زبان میں ترجمہ کی خدمت انجام دینے میں جو ادارے پیش پیش رہے ہیں ان میں سب سے پہلے مدرسہ غازی الدین حیدر کا نام لیا جائے گا جسے بعد میں اورینٹل کالج کے نام سے یاد کیا جاتا رہا ہے۔

اردو میں باقاعدہ ترجموں کا آغاز فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں ۱۹ویں صدی کے آغاز سے ہوا، جہاں ترجموں کی ایک لمبی فہرست ملتی ہے۔ ان میں ادبی، علمی اور مذہبی کتابیں موجود ہیں، جو زیادہ تر عربی، فارسی اور سنسکرت سے کی گئیں۔

۱۸۲۵ء میں تراجم کا تیسرا دور دہلی کالج میں شروع ہوا، اس میں علمی اور سائنسی کتابوں کے ترجمے ہمارے سامنے آتے ہیں، اس دور میں دہلی کالج سے باہر بھی لوگوں نے علمی اور سائنسی کتابوں کے ترجمے کیے۔ مثلاً ۱۸۵۳ء میں جان پارکس لیڈی نے کتاب ''Economics'' کا ترجمہ ''رسالہ علم المعیشت'' کے نام سے

کیا، اس دور کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ادبی اور علمی موضوعات کے علاوہ سائنسی اور علمی تراجم کا رجحان زیادہ رہا۔

انیسویں صدی کے نصف آخر میں جو تراجم ہمارے سامنے آتے ہیں ان میں ڈپٹی نذیر احمد کے دو تراجم بہت اہم ہیں۔ پہلا ترجمہ ''قرآن مجید'' کا ہے جو دہلی کی خالص اور ٹھیٹھ با محاورہ زبان میں کیا گیا۔ دوسرا ''تعزیرات ہند'' کا ترجمہ جس میں انہوں نے کئی قانونی اصطلاحات بھی وضع کیں، ان کی بنائی ہوئی قانونی اصطلاحات آج بھی ہمارے یہاں رائج ہیں۔ مثلاً سِول (Civil) کے لئے 'دیوانی' اور کریمنل (Criminal) کے لئے 'فوجداری' وغیرہ کے الفاظ ڈپٹی نذیر احمد نے دیے ہیں۔

بیسویں صدی کے اوائل میں جو ترجمے ہوئے۔ ان میں سید علی بلگرامی کی ''تمدن ہند'' اور ''تمدن عربی'' علمی تراجم کی اہم اور خوبصورت مثالیں ہیں۔ یہ تراجم فرانسیسی زبان سے اردو میں کیے گئے۔ ان کے علاوہ مولوی سعید احمد دہلوی کی کتابیں اور مولانا ظفر علی خاں کے تراجم بھی قابل ذکر ہیں۔

مولانا ظفر علی خاں نے ڈاکٹر ڈریپر کی کتاب ''معرکۂ مذہب و سائنس'' کا اردو ترجمہ پیش کیا جسے ہم اردو میں متناسب اور خوبصورت ترجمے کی ایک اہم مثال سمجھتے ہیں۔

**دارالترجمہ عثمانیہ**

دارالترجمہ عثمانیہ ۱۹۱۷ء میں نظام حیدر آباد عثمان علی خاں کے نام پر قائم ہوا۔ اس ادارے کا سب سے اہم کارنامہ اصطلاحات وضع کرنے کا اصول مرتب کرنا ہے۔ اس سلسلے میں وحید الدین سلیم پانی پتی کا نام بطور خاص اہمیت کا حامل ہے۔ ان کی کتاب ''وضع اصطلاحات'' ترجمہ نگاری کے اعتبار سے ایک قابل قدر کتاب ہے۔ اس ادارے نے بڑی تیزی سے مختلف علوم و فنون کی کتابوں کے ترجمے کا کام شروع کیا۔ محض تیس سال کی قلیل مدت میں اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم اردو زبان میں دینے کی صلاحیت اس یونیورسٹی نے حاصل کر لی۔ یہاں تقریباً ۴۰۰ کتابوں کا سلیس اردو میں ترجمہ ہوا۔ اس ادارے سے منسلک مترجمین میں ڈاکٹر عبدالحق، نظم طباطبائی، جوش ملیح آبادی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

بیسویں صدی کے نصف آخر میں ترجمے کے میدان میں اخبارات و رسائل نے جو انبار لگا دیئے ہیں اس کو دیکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ آزاد ترجمے اور اخذ و استفادہ پر زیادہ زور دیا گیا۔ ادبی تراجم بھی اس دوران ہوئے ہیں لیکن علمی تراجم کی وہ رفتار قائم نہیں رہی جو حیدر آباد دکن کا طرۂ امتیاز ہے۔

جہاں تک قرآن مجید کے ترجموں کا تعلق ہے شاہ عبدالقادر کے ترجمے کے بعد قابل قدر ترجمہ مولانا اشرف علی تھانوی نے کیا لیکن اس میں بھی سلاست وقطعیت کی کمی ہے۔ اس لحاظ سے اردو میں قرآن مجید کا خوبصورت ترجمہ مولانا عبدالماجد دریا آبادی کا ''تفسیر ماجدی'' ہے۔ اس میں روانی پائی جاتی ہے، لیکن جدید دور میں سادہ اور عام فہم ترجمہ مولانا مودودیؒ کا ''تفہیم القرآن'' ہے جو بامحاورہ ترجمے کی ایک عمدہ مثال ہے۔ یہ ترجمہ بامحاورہ بھی ہے اور ادبی ترجمہ کے اصولوں پر بھی پورا اترتا ہے۔ (۱۲)

اس گفتگو سے اردو میں ترجمے کی روایت کا عام خاکہ سامنے آجاتا ہے، اب عربی سے اردو میں ترجمے کی روایت کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

## فقہ

۱۔ غایۃ الاوطا ۲۔ تاریخ فقہ اسلامی ۳۔ زہرہ ریاض الابرار ۴۔ فتاویٰ عالمگیری ۵۔ فتاویٰ عزیزیہ ۶۔ فتاویٰ نذریہ ۷۔ عین الہدایہ ۸۔ النظم الاسلامیہ ۹۔ الاسلام والحضارۃ العربیہ ۱۰۔ تاریخ التشریع الاسلامی ۱۱۔ الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند ۱۲۔ طبقات الامم ۱۳۔ حکومت الہیہ (علامہ حمید الدین فراہی) ۱۴۔ حضرت ابوبکر کے سرکاری خطوط ۱۵۔ حضرت عمر فاروق کے سرکاری خطوط ۱۶۔ اثبات النبوۃ ۱۷۔ الموافقۃ بین اہل البیت والصحابہ (علامہ زمخشری) ۱۸۔ غزوات حیدری ۱۹۔ لسان المتقین ۲۰۔ جامع جعفری ۲۱۔ رشید المؤمنین ۲۲۔ سراج السالکین ۲۳۔ سیرۃ النبی کامل (مترجم عبدالجلیل صدیقی) ۲۴۔ سیرت ابن ہشام (مترجم غلام رسول مہر) ۲۵۔ منہاج النبوۃ ۲۶۔ حیاۃ الصحابہؓ (تین جلدوں میں) ۲۷۔ بلوغ المرام ۲۸۔ اسوۂ حسنہ ۲۹۔ حضرت عثمان کے سرکاری خطوط ۳۰۔ بلاغ المبین ۳۱۔ حضرت عثمانؓ (ڈاکٹر طہ حسین) ۳۲۔ حضرت علیؓ (ڈاکٹر طہ حسین) ۳۳۔ ابوبکرؓ (محمد حسین ہیکل) ۳۴۔ عمر فاروقؓ (محمد حسین ہیکل)

## تصوف

۱۔ روضۃ الاصفیاء ۲۔ تذکرۃ الاولیاء ۳۔ روضۃ الاولیا ۴۔ کشف المحجوب ۵۔ خیر المجالس ۶۔ تاریخ تصوف اسلام ۷۔ غنیۃ الطالبین ۸۔ فتوح الغیب ۹۔ وحدت الوجود

## دیگر مطبوعات

۱۔ افکار مسنونہ (حافظ ابن قیم) ۲۔ اعتدال کی راہ (حافظ ابن قیم) ۳۔ تاریخ الفخری (الفخری کا اردو ترجمہ) ۴۔ حجۃ اللہ البالغہ ۵۔ ازالۃ الخفاء ۶۔ اسلامی نظام معیشت ۷۔ اسلام میں عدل اجتماع (سید قطب)

۸۔اسلام کا روشن مستقبل (سید قطب) ۹۔ اسلام ایک ضرورت (سید قطب) ۱۰۔نقوش راہ (سید قطب) یہ معالم فی الطریق کا ترجمہ ہے ۱۱۔کیا مسلمان متعصب ہوتے ہیں (ایضاً) ۱۲۔امن عالم اور اسلام (ایضاً) یہ السلام العالمی والإسلام کا ترجمہ ہے ۱۳۔اسلام اور جدید ذہن کے شبہات (ایضاً) شبہات حول الإسلام کا ترجمہ ہے ۱۴۔اسلام اور جدید مادی افکار (ایضاً) الإسلام بین الإسلام والمادیۃ کا ترجمہ ہے ۱۵۔ اسلامی اور معاشی تحفظ (یوسف القرضاوی) مشکلات الفقر وکیف عالجہا الإسلامی کا ترجمہ ہے۔ ۱۶۔حیات ابوبکر الصدیق (علی طنطاوی) حیاۃ ابوبکر الصدیق کا ترجمہ ہے۔

اگر چہ ان تراجم کی حیثیت مذہبی ہے لیکن ادب کے لئے موضوع کی تخصیص نہیں ہوتی ہے، ادب کا رشتہ اسلوب سے متعین ہوتا ہے۔ آج بھی ادبی میراث کا بہترین حصہ مذہبی شہ پاروں پر ہی مشتمل ہے۔ یہ ذخیرہ تراجم، ادبی اسلوب کی دلکشی کا ایک توانا احساس دلاتا ہے۔

یہ تو چند دینی کتابوں کے اردو تراجم کی ایک جھلک تھی، خالص ادبی کتابوں کے بھی بے شمار ترجمے ہوئے ہیں۔ان کا سرسری جائزہ حسب ذیل ہے۔

**مقامات حریری:** کئی حضرات نے علاحدہ علاحدہ اس کو اردو کا جامہ پہنایا ہے اور اس کی تشریح وتفصیل بھی کی ہے، مشہور مترجمین کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

مولوی اوحد الدین عثمانی، مولوی روشن علی جونپوری، مفتی اسماعیل بن وجیہ الدین مرادآبادی، سید امداد علی خاں وغیرہ۔

**دیوان المتنبی:** برصغیر ہندو پاک میں اس دیوان کو ہمیشہ غیر معمولی مقبولیت حاصل رہی ہے اور آج بھی درس نظامی کے تحت چلنے والے مدارس میں شامل نصاب ہے اس کے متعدد اردو تراجم ہوئے ہیں۔ ذوالفقار علی دیوبندی اس کے مشہور مترجم ہیں۔ان کے علاوہ محمد بن احمد ٹونکی نے بھی اس کو اردو کا قالب دیا ہے۔

**العلقات السبع:** ہماری زبان اردو میں اس کے تراجم وشروحات کا قابل قدر ذخیرہ موجود ہے لیکن سب سے زیادہ مقبول ومتداول علامہ فیض الحسن سہارنپوری کا ترجمہ ہے، اس کے دوسرے مترجمین میں عبدالرحمٰن بن عبدالکریم صفی پوری، شیخ رشید النبی بن حبیب النبی رامپوری، سید ابوالحسن بن نقی شاہ کشمیری وغیرہ ہیں۔

**دیوان الحماسہ:** عربی میں شعری انتخاب کے لئے مشہور یہ کتاب روز اول ہی سے ہندی علماء وفضلاء کے منظور نظر رہی ہے اور مختلف اہل زبان وقلم نے اس مشہور کتاب کو اردو میں پیش کیا ہے۔ چند مترجمین کے اسماء

گرامی ذیل میں دیے جارہے ہیں:(۱) قاضی نجف علی (۲) مولوی ذوالفقار علی دیوبندی (۳) شیخ فیض الحسن سہارنپوری

**قادة الفكر**: یہ ماضی قریب کے عربی کے بہت ہی عظیم ادیب ڈاکٹر طہ حسین کی کتاب ہے، جامعہ دارالسلام عمر آباد کے استاذ جناب مولانا ثناءاللہ عمری نے اس کا ترجمہ کیا ہے۔

**الوعد الحق**: اس کے مصنف بھی ڈاکٹر طہ حسین ہیں، عبدالمجید حریری نے اس کا نہایت سلیس وسادہ زبان میں ترجمہ کیا ہے۔

**علی وبنوہ**: ڈاکٹر طہ حسین کی اس کتاب کا ترجمہ عبدالحمید نعمانی نے کیا ہے۔

**فلسفة ابن خلدون الاجتماعية**: یہ کتاب بھی ڈاکٹر طہ حسین کے سحر آفریں قلم سے نکل کر اہل علم ودانش کے حلقوں سے داد تحسین حاصل کرچکی ہے اس کے مترجم مولانا عبدالسلام ندوی ہیں۔

**الأيام**: (دوجلدوں میں) یہ ڈاکٹر طہ حسین کی مشہور خودنوشت سوانح حیات ہے جس کا ترجمہ حکیم سید عبدالباقی سطاری نے کیا ہے۔

**محمد اقبال وابوالعلاء المعری**: یہ ڈاکٹر طہ حسین کا مشہور مقارنہ ہے جس میں انہوں نے ڈاکٹر علامہ اقبال اور مشہور عربی شاعر ابوالعلاء معری کے درمیان مقارنہ کیا ہے، اس کا ترجمہ مشہور اردو وعربی کے ادیب پروفیسر محسن عثمانی نے کیا ہے۔

**سليمان الحكيم، اهل الكهف، شهرزاد**: یہ تینوں کتابیں عربی کے مشہور ڈرامہ نگار ڈاکٹر توفیق الحکیم کی ہے اور اتفاق سے تینوں کتابوں کے ترجمے جواہر لعل نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی کے پروفیسر اسلم اصلاحی کے قلم سے نکلے ہیں۔ اہل الکہف کا ترجمہ مولانا اسلم قاسمی نے بھی ''جاگنی کے بعد'' کے نام سے کیا ہے۔ یہ ۱۹۶۲ء میں مکتبہ ''شمع'' دہلی سے شائع ہوئی ہے۔

**حكاية حارتنا**: یہ نوبل انعام یافتہ ادیب ڈاکٹر نجیف محفوظ کا ناول ہے اس کے بعض اجزاء کا ترجمہ ڈاکٹر عبدالحق شجاعت علی نے کیا ہے۔

**أنا**: عربی کے ممتاز ادیب وناقد عباس محمود العقاد کی خودنوشت سوانح حیات ہے جس کا اردو ترجمہ بہت ہی مشہور مصنف وعالم ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری نے کیا ہے۔

**ماجدولين**: عربی کے صاحب اسلوب انشاء پرداز وقدآور ادیب مصطفیٰ لطفی المنفلوطی کی کتاب ہے اس کو

حبیب شعر دہلوی نے اردو کا جامہ پہنایا ہے۔

**قصة عربية**: نہایت ہی آسان و فصیح زبان لکھنے والوں میں کامل کیلانی کا نام سب سے اونچا ہے، قصوں کی ایک سریز انہوں نے لکھی ہے جس کی تعداد کئی سو تک پہنچتی ہے، انہیں میں سے ایک قصہ عربیہ بھی ہے جس کا اردو ترجمہ جناب بدرالدین نے کیا ہے۔

**القيامة رأى العين**: شیخ محمد الصواف کی کتاب ہے اس کا اردو ترجمہ مولانا شمس الحق ندوی نے ''قیامت کا منظر نامہ'' کے نام سے کیا ہے۔

**أبوبكر**: عرب دنیا کے مقبول و مشہور ادیب جناب محمد حسن ہیکل کے قلم سے نکلی ہوئی اس کتاب کا اردو ترجمہ جناب محمد احمد پانی پتی نے کیا ہے۔

**كتاب دنات المثالث والمثانى فى روايات الاغانى**: عربی ادب کی معدودے چند کتابوں میں اس کا شمار ہوتا ہے، یہ بہت ہی پرانی کتاب ہے جو زبان و اسلوب کے لحاظ سے بے نظیر ہے، اس کے مصنف ابوالفرج اُصفہانی ہیں اس کا ترجمہ رئیس احمد جعفری ندوی نے کیا ہے۔

**إذا هبت ريح الإيمان**: یہ ہندوستان کے مایہ ناز ادیب استاذی مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی مشہور تصنیف ہے جسے محمد الحسنی اور واضح رشید نے مل کر اردو کا قالب دیا ہے۔

**روائع اقبال**: یہ کتاب بھی مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی ہے جو علامہ اقبال کی شاعری پر تبصرہ ہے اس کا ترجمہ ''نقوش اقبال'' کے نام سے شمس تبریز خاں ندوی نے کیا جس نے ترجمہ کے بجائے تخلیق کا درجہ پالیا۔

**سيف العدالة**: یہ فاضل ادیب عطیہ ابراشی کی کتاب ہے جسے محمد سلطان محی الدین نے اردو ترجمہ کیا ہے۔

**هذا الدين ، قبسات من الرسول**: یہ دونوں کتابیں مشہور ادیب سید قطب کی ہیں ان دونوں کا ترجمہ مشہور مترجم اظہر غوری ندوی نے کیا ہے۔

**فى ظلال القرآن**: اس کی تین جلدوں کا اردو ترجمہ ہو چکا ہے، اس کے مترجم سید حامد علی ہے۔

قبسات من الرسول: یہ کتاب بھی سید قطب کی ہے اس کا اردو ترجمہ عبدالمجید اصلاحی نے کیا ہے۔

**معالم الطريق**: اس کے مصنف بھی سید قطب ہیں، اس کا نہایت ہی عمدہ ترجمہ محمد عنایت اللہ سبحانی نے کیا ہے۔

**تاريخ الأدب العربى**: احمد حسن زیات کی عربی ادب پر مشہور کتاب ہے جو علمی و ادبی حلقوں میں کافی مقبول و متداول ہے اس کا ترجمہ طفیل احمد مدنی نے کیا ہے۔

**الأدب العربی المعاصر فی مصر**: یہ کتاب اپنے زمانہ کے مایہ ناز محقق، ناقد وادیب ڈاکٹر شوقی ضیف کی ہے، جدید عربی ادب پر لکھی جانے والی کتابوں میں یہ ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے، حال ہی میں اس کا ترجمہ شائع ہوا ہے، اس کا ترجمہ ڈاکٹر شمس کمال انجم نے کیا ہے، ترجمہ کے بارے میں محسن عثمانی لکھتے ہیں:

پیش نظر کتاب اردو ادب کے کتاب خانہ میں ایک اہم اضافہ کی حیثیت رکھتی ہے، اصل کتاب جس قدر قابل تعریف ہے اس کا ترجمہ بھی اسی قدر قابل تعریف ہے۔''

# منظوم تراجم کی روایت

نقاد اور ادیبوں نے لکھا ہے کہ ''نظم کا ترجمہ سرے سے کیا ہی نہیں جا سکتا ہے''۔ شعر کا ترجمہ دشوار کن ہوتا ہے کیونکہ اس میں دریا کو نہیں بلکہ سمندر کو کوزہ میں بند کیا جاتا ہے۔ شعر کے ترجمے میں ایک مترجم کو کئی بنیادی باتوں پر دھیان دینا پڑتا ہے، مترجم کے لئے مصنف کے فلسفہ، طرز احساس، علمی لیاقت، نفسیاتی کیفیت اور اس کے فنی طریقۂ کار سے واقفیت ضروری ہے۔ مصنف کے عہد اور حالات سے بھی واقفیت ضروری ہے۔ اس طرح اس زبان کی تاریخ سے بھی واقفیت ضروری ہے جس زبان (Source Language) سے ترجمہ کرنا اور جس زبان (Target Language) میں ترجمہ کرنا ہے، زبان کے قواعد، ساخت اور صوتیات سے بھی واقفیت ہونی چاہیے، مترجم کے لئے ضروری ہے کہ وہ جس کتاب کا ترجمہ کرنا چاہتا ہے اس کے موضوع پر حاوی ہو، اس کے اصطلاحات، محاورے اور ضرب الامثال سے بھی اچھی طرح واقف ہو۔

ان دشواریوں کے علاوہ زبانوں کے مختلف مزاج بھی شعر کے ترجمہ میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ ایک یوروپی زبان سے دوسری یوروپی زبان میں شعر کا ترجمہ سہولت سے کیا جا سکتا ہے کیونکہ یہاں ان کا مزاج اور ثقافتی خصوصیات کم وبیش ایک جیسی ہوتی ہیں جب کہ کسی بھی یوروپی زبان کے منظوم کلام کا ترجمہ کسی ایشیائی زبان میں اتنی سہولت اور صحت سے نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہاں زبانوں کے مزاج، اخلاقیات، ثقافتی خصوصیات اور مفردات میں زمین وآسمان کا فرق پایا جاتا ہے۔ اس لئے غیر ملکی زبان میں لکھی گئی شاعری کا شرحی ترجمہ ایک ایسے تجربہ کار اور ذمہ دار شخص کو کرنا چاہیے جو دوسری زبان کی شاعری کو اچھی طرح سمجھ کر اس کے معانی اور مفاہیم کو اپنی زبان میں پیش کرنے اہلیت رکھتا ہو، منظوم ترجمے میں اصل زبان کی خوبصورتی کو برقرار نہیں رکھا جا سکتا۔

اردو ادب کے ابتدائی مترجموں نے ان ضرورتوں کا پوری طرح لحاظ نہیں کیا، اس لئے ان کے اکثر منظوم ترجمے بے روح اور اصل سے دور ہیں، محمد حسین آزاد، الطاف حسین حالی، اسماعیل میرٹھی، پنڈت آنند موہن اور دتاتریہ کیفی کے منظوم تراجم کو نقص سے پاک قرار نہیں دیا جا سکتا۔

لارڈ لٹن کی نظم ''نابینا پھول والی'' کا ایک سے زائد شعراء نے ترجمہ کیا ہے۔ مولانا محمد حسین آزاد نے اس

کا ترجمہ ''نابینا پھول والی کا گیت'' کیا ہے۔ سید ابراہیم اشک نے ''اندھی پھول والی کا گیت'' تو سرور جہاں آبادی نے ''اندھی پھول کے گیت'' کیا ہے۔ سید مہدی حسن احسن لکھنوی کے ''اندھی پھول والی کے گیت'' رشک بلند شہری کے ''اندھی پھول والی کا گیت'' اور سائل دہلوی کے ترجمے ''پھولوں کی تعریف میں''۔

''منظوم'' ترجمے میں مترجم نظم کے اصول وقواعد کی پابندی کی شرط سے آزاد نہیں ہو جاتا، وہ بحر و وزن، ردیف اور قوافی کے نظام کو بالائے طاق رکھ نہیں رکھ سکتا۔

اس کے لئے علم وعروض اور علم قافیہ کے علاوہ علم بدیع اوعلم بیان سے واقفیت بھی ضروری ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر عنوان چشتی لکھتے ہیں:

> ''چونکہ خیال کو الفاظ کا جامہ پہنانے کا عمل فنی، ادبی اور تخلیقی نوعیت کا ہے اس لئے دوسری زبانوں سے اردو میں منظوم ترجمہ کرتے وقت علم بدیع و بیان پر نظر رکھنا ضروری ہے اور عروض وقوافی، معائب ومحاسن سخن اور شعری اسالیب کا عرفان بھی ضروری ہے۔'' (۱۳)

آزاد اور معری نظموں میں انگریزی ادب کے شاعروں نے اوزان وقوافی کو کسی حد تک خیر آباد کہہ دیا لیکن اردو مترجم شعراء نے مروجہ بحور واوزان کی ایک عرصے تک پابندی کی، چنانچہ انگریزی میں ''فِری ورس'' لکھنے والوں نے اوزان وبحور کو خیر آباد کہہ کر آہنگ کا سہارا لیا تھا۔ اردو میں انگریزی آہنگ کا نعم البدل موجود نہیں، مجبوراً اردو شاعروں نے آزاد نظم میں مورجہ اوزان وبحور کا سہارا لیا ہے۔ اگر چہ انہوں نے ایک نظم کے مختلف مصرعوں میں ایک ہی بحر کے مختلف ارکان کو برتا مگر مکمل طور پر عروضی آہنگ سے نجات حاصل نہیں کی۔ یہی حال اردو میں معری نظم کا ہے۔ انگریزی ''بلینک ورس'' ایک بحر' آئمبک پنٹا میٹر' میں لکھی جاتی ہے مگر اردو میں اس کے لئے کوئی بحر مخصوص نہیں ہے، اس کی دوسری روشن مثال جاپانی شاعری کا اردو ترجمہ ہے۔ جاپانی زبان کی ساخت اردو زبان کی ساخت سے مختلف ہے، اس کی اصناف اور شعری ہیئتوں کی ایک مخصوص عروضی تنظیم ہے۔ جاپانی شاعری میں رکن کا وہ تصور نہیں ہے جو اردو یا انگریزی میں ہے۔ اس لئے جنہوں نے جاپانی شاعری کا جاپانی ہیئتوں کی خارجی خصوصیات کے ساتھ اردو میں ترجمہ کرنے کی کوشش کی ہے انہیں ناکامی ہوئی۔

منظوم ترجمہ میں بحر کی پابندی، ردیف کا اہتمام اور قوافی کا تتبع بسا اوقات ترجمہ میں نقص بھی پیدا کر دیتا ہے، خیالات کی من وعن ترسیل کی راہ میں حائل ہو جاتا ہے، اسی طرح منظوم مترجم اطناب کا شکار ہو جاتا ہے، اس

کو ردیف اور قافیہ کے تعاقب میں خود تخلیق اور اضافے کا سہارا بھی لینا پڑتا ہے، جس سے ترجمہ کے عام اصولوں کا اتفاق نہیں، الفاظ کی رعایت ضروری طور پر ان اصولوں میں شامل ہے۔ مثال کے طور پر مور کی انگریزی نظم The Light of the days کا اردو میں منظوم ترجمہ نادر کاکوروی نے ''گزرے زمانے کی یاد'' کے عنوان سے کیا ہے۔ یہ ترجمہ کچھ یوں ہے:

اکثر شب تنہائی میں　　کچھ دیر پہلے نیند سے
گزری ہوئی دلچسپیاں　　بیتے ہوئے دن عیش کے
بنتے ہیں شمعِ زندگی　　اور ڈالتے ہیں روشنی
میرے دلِ صد چاک پر

وہ بچپن اور وہ سادگی　　وہ رونا، وہ ہنسنا کبھی
پھر وہ جوانی کے مزے　　وہ دل لگی، وہ قہقہے!
وہ عشق، وہ عہدِ وفا　　وہ وعدہ اور وہ شکریا
وہ لذتِ بزمِ طرب　　یاد آتی ہے ایک ایک سب
دل کا کنول جب روز و شب　　رہتا شگفتہ تھا سو اب
اس کا یہ ابتر حال ہے　　ایک سبزۂ پامال ہے
اک پھول کملایا ہوا　　سوکھا ہوا بکھرا ہوا
روندا پڑا ہے خاک پر (۱۴)

مور کی نظم کے ۱۳ مصرعوں کا ترجمہ نادر نے ۲۲ مصرعوں میں کیا ہے۔

ترجمے میں اس قسم کا اضافہ معیوب سمجھا جاتا ہے لیکن مترجم نے یہ زیادتی بحر کی پابندی اور رعایت لفظی کی وجہ سے کی ہے۔ یہ ترجمہ اطناب اور اضافہ الفاظ و خیال کا شکار ہے، مختصراً یہ ہے کہ عروض کے اصولوں کی پابندی مترجم کے لئے بڑی مشکلیں پیدا کرتی ہے۔

# References

# حواشی


ا۔الجاحظ، کتاب الحیوان، ج:ا، تحقیق فوزی عطوی، بیروت، ص:۵۵

2- On Translation, Ed. Reuben Brower, OUP New York, 1966, P-271, Introductory note to Bibliography prepared by: Bayard Quincy Morgan

3- New Mark in Marcrolinguistic Pre-requisites to literary translation as cited by Panchanan Mohanty in- Translation as Synthesis- Asearch for New Gestalt ed. E. Karunakaran and Jaya Kumar, Bahri Publications, New Delhi, 1988

4- A framework for the analysis and evaluation of theories of translation in- Translation Application and Research, ed. Richard W. Brislin, Gardener Press NY 1976 p-47

5- Translation in Medieval Bulgaria-Theory and Practice of Translation throughout the ages Vol:2 p-4, Ashit Chakraborty, Calcutta p -ix

6- Tytler Alexander Fraser: Essay on Principles of Translation, London, 1790 AD.

7- Humboldt Wilhelm V.:Preface to aeschyios Agamen non, Leipzig. 1816

8- Warren T.H.:Art of Translation Quar R.182: 324- 335 Also in: Essays of Poets and Poetry, New York 1895- 1909

(۹) حسن الدین احمد، مقدمہ ساز مغرب سے تلخیص کے ساتھ

(۱۰) شہباز حسن، ترجمہ کی اہمیت (ترجمہ فن اور روایت) ص:۱۸۷، ۱۸۸

(۱۱) پروفیسر محمد حسن، ترجمہ نوعیت اور مقصد (ترجمہ فن اور روایت) ص:۶۹، ۷۰

(۱۲) عطش درانی، اردو ترجمے کی فنی تاریخ سے ملخصاً ماخوذ، ص:۴۱۶

(۱۳) ڈاکٹر عنوان چشتی، منظوم ترجمے کا عمل، (ترجمہ فن اور روایت) ص:۱۵۱

(۱۴) تاجور نجیب آبادی (مرتبہ) تصویر جذبات، لاہور ۱۹۶۴ء ص:۱۴

# باب سوم

# قصیدہ بانت سعاد

## تعارف

عربی کے بلند پایہ شاعر کعب بن زہیر عظیم عربی شاعر زہیر بن ابی سلمٰی کے بیٹے ہیں، جن کا معلقہ 'معلقات سبع'' میں تیسرے نمبر پر ہے انہیں شاعر حکمت بھی کہا جاتا ہے اور وہ جاہلی دور کے تین اولین شعراء (امرؤالقیس ،طرفہ بن عبد اور زہیر) میں شمار ہوتے ہیں۔ کعب بن زہیر قبیلۂ مزینہ سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنے باپ، ماموں اور بھائی و بہنوں کے شاعرانہ ماحول میں پرورش پائی۔ باپ نے ان کے اندر شعری ذوق اور قابلیت بھر دی جس کی بدولت جلد ہی ان کی شہرت کا آوازہ مختلف جگہوں پر پہنچ گیا اور ایک عظیم سخنور بن کر صحرائے عرب میں کعب کی شخصیت ابھری۔

ان کا کلام ظاہر کرتا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں ان کے اندر کبر ونخوت ،تہدید جیسی دیگر برائیاں پائی جاتی تھیں۔ اسلام لانے کے بعد ان کی ذات ان برائیوں سے پاک ہوئی۔ اسلامی تعلیمات کا ان پر گہرا اثر ا ہوا، صبر و تحمل اور حکمت ودانائی کے اوصاف ان کی شخصیت کا جزو بن گئے اور ان کی شاعری پند وموعظت کی ترجمان بن گئی۔ جیسا کہ ذیل کے ابیات سے پتہ چلتا ہے۔

لو كنت أعجب من شئى لأعجنبى
سعى الفتى وهو مخبؤله القدر

يسعى الفتى لأمور ليس يدركها
والنفس واحدة والهم منتشر

والمرء ماعاش ممدود له أمل
لاتنتهى العين حتى ينته الأمر

اسی طرح وہ کثرت سے اس بات کو بیان کرتے ہیں کہ اللہ ہی روزی رساں ہے، وہ اپنے بندوں کو بھوکا نہیں مار سکتا ہے وہی ہمارا راعی ونگہبان اور پاسبان ہے، جیسا کہ وہ سخن نواز ہیں۔

اعلم أنى متى ما بأتنى قدرى
فليس يحبه شح ولا شفق

والمرء والمال ينمى ثم يذهبه

مرُّ الدهور ويفنيه فلنسحق

فلا تخافى علينا الفقر والنتظرى

فضل الذى بالغنى من عنده نثق

إن يفن ماعندنا فلله يرزقنا

ومن سوانا ولنسن نحن نرتزق

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے اندر اسلام کا فلسفۂ اقتصاد پوری طرح سرایت کر چکا تھا اور انہوں نے اپنی شاعری کو اسلامی تعلیمات کا آئینہ دار بنا دیا۔

## ابیات

ابن اسحاق نے اپنی سیرت میں اس قصیدہ کے کل اکیاون (۵۱) اشعار نقل کئے تھے بعد میں ابن ہشام نے ابن اسحاق کی کتاب ''سیرۃ الرسول من المغازی والسیر'' کی روایت اور تلخیص وتہذیب کی تو اس میں مزید سات ابیات کا اضافہ کیا، اس طرح قصیدے کی کل ابیات کی تعداد (۵۸) ہوگئی (۴)

## قصیدہ کے موضوعات

بنیادی طور پر ''معذرت'' اس قصیدہ کا موضوع ہے، تاہم قصیدہ ہونے کی حیثیت سے اس میں دیگر موضوعات بھی شامل ہیں، جن کی تفصیل حسب ذیل ہیں:

ابتدائی تیرہ شعروں میں شاعر اپنی ایک فرضی محبوبہ کا ذکر کرتا ہے، جس کا نام اس نے ''سعاد'' رکھا ہے، ان اشعار میں وہ کہتا ہے کہ ''سعاد'' کی آنکھیں سرگیں ہیں جو حیاوشرم سے جھکی رہتی ہیں، آواز مدھم اور شیریں ہے، جسم متناسب ہے، ناک نقشہ موزوں، دانت ہمیشہ بھیگے بھیگے سے معلوم ہوتے ہیں جیسے اس نے ابھی جام پیئے ہوں، وہ حسن کا پیکر ہے، وعدہ خلافی اس کی فطرت میں نہیں، بے مروت اور متلون مزاج ہے، اس پر مزید مصیبت یہ کہ وہ اتنی دور چلی گئی ہے کہ اس کے وصال کی تمنا بھی محال ہے، کیونکہ جہاں وہ ہے، وہاں تک ایک تیز گام اچھی نسل کی مضبوط ہڈیوں اور چوڑے چکلے سینے والی اونٹنی ہی پہنچ سکتی ہے۔

چودھویں شعر سے چونتیسویں شعر تک اسی اونٹنی کے اوصاف کا بیان جاہلی کلام کے روایتی انداز میں کیا گیا ہے۔

۳۵/ویں شعر میں شاعر کہتا ہے، یہ اونٹنی ایسی ہے جس کے گرد چغلخور گھات لگائے بیٹھے ہیں، وہ چغلخور جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مجھ سے بدظن کر دیا ہے اور کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھے ہلاک کر دیئے جانے کی دھمکی دی ہے۔ بہر حال موت اگر آنی ہے تو آ کر رہے گی، اس سے کون بچا ہے، وہ کون ہے جس کو کسی عورت نے جنم دیا ہو، پھر وہ نعش پر نہ اٹھایا گیا ہو، ۳۸/ویں شعر تک یہی مضمون بندھا ہے۔ اس کے بعد ۳۹/ویں شعر سے ۵۰ ویں شعر تک معذرت کا مضمون ہے جس میں شاعر نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عفو و درگزر کے عادی ہیں، قسم اس ذات کی جس نے آپ کو قرآن کا عطیہ بخشا وہ قرآن جو ہدایت اور احکام الہیہ کی تشریح ہے، میں نے کوئی گناہ نہیں کیا ہے، یہ سب لوگوں کا حسد ہے جنہوں نے چغلی کھائی۔

۵۱واں شعر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی کی نذر ہے، جو اس قصیدے کا مشہور ترین شعر ہے:

انّ الرسول لنور یستضاء به

وصارم من سیوف الله مسلول

یہاں بعض روایتوں میں سیوف اللہ کی جگہ ''سیوف الہند'' اور صارم کی جگہ ''سیف'' آیا ہوا ہے جس میں شاعر نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کی تشبیہ تلوار کی چمک سے دی ہے، جس میں چاند کی سی روشنی ہوتی ہے جو اس وقت ہویدا ہوتی ہے جب ہندوستانی تلوار کو ندتی ہے۔ شاعر نے جب یہ شعر پڑھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ردائے مبارک اتار کر شاعر کو پہنا دی۔ ۵۲ ویں شعر سے ۵۸ ویں شعر تک صحابہ کرام کی شجاعت، جوانمردی، حق پرستی اور صداقت کی تعریف کی ہے۔ انصار اور مہاجرین کی مدحت سرائی کی ہے۔

اس قصیدے پر ایک اعتراض یہ کیا گیا کہ رسول پاک ؐ کی شان میں لکھے گئے قصیدے میں غزل اور تشبیب کے اشعار کو شامل کرنا سوئے ادب ہے۔

اس اعتراض کا جواب یہ دیا گیا کہ اس وقت قصیدے کا مزاج ہی یہ تھا۔ کوئی بھی قصیدہ تشبیب سے خالی نہیں ہوتا تھا۔ اس ضمن میں پروفیسر ڈاکٹر عبدالسلام سرحان کی کتاب ''مختارات من روائع الأدب'' کی درج ذیل تعبیر ہماری توجہ کی مستحق ہے۔

اقتباس ملاحظہ فرمائیے:

''سعادة فی هذه القصیده فتاة خیالیة اخترعها خیاله وفراها تصوره لیبدأ علی حبها إنشاده، ویوالی فی ذکرها إنشائه، ویرتبع فی مرابعها بخیر تقدیم علی

عادة الشعراء فی شعرهم القدیم، ولکن الملاحظة أنه وصفها بعدم الولاء ورماها بعدم الوفاء، وتحدث عن أنها هجرته وقطعت حبل وصله ، وأبلت أسباب وده، واختفت عنه فی مکان جد بعید لا یمکن الوصول إلیه إلّا علی ظهور العتاق النجیبات المسرعات فی السیر المعذات فی الرهیل..... ثم انتقل بعد ذلک إلی وصف أمله فی رسول الله صلی الله علیه وسلم أن یعفوا عنه ویغفر زلته ، ویؤمنه علی سعاد التی کنی بها- فیما أری- عن راحته و هنأته الی افتقدها زمناً طویلاً فکانت تهرب منه ، وتبعد عنه فیحاول أن یرکب إلیها سفائن الصحراء ویتحمل فی سبیلها کل عناد علة یظفر بها أو یتقرب منها ویمضی یوعد لدیها أن للقان، ولکنها ظلت منه نافرة وعنه مغضبة، وعلیه غاضبة حتی وجدها أخیراً فی طریق الأمل والرجاء، وعرف أنها تقیم لدی سید الخلفه صلوٰت الله وسلامه علیه..... فقدم إلیه وهدم بین یدیه تلک الخریدة الفریدة التی کانت الثمن الوحید للتصال بالحبیب البعید۔"

اقتباس بالا میں پروفیسر موصوف نے سعاد کو ایمان واسلام کی سعادت قرار دے کر اس کے متعلقات کی تعبیر اس کمال خوبی سے کی ہے کہ قصیدہ پر درج بالا اعتراض وارد ہونے کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

## تاریخی تناظر

ہجرت کا ساتواں سال تھا کہ صلح حدیبیہ کا واقعہ پیش آیا مسلمانوں کو پرامن طریقے سے دعوتی مشن پورے جزیرۂ عرب میں پھیلانے کا موقع ہاتھ آ گیا، اسلام کے مبلغین قبیلے قبیلے جا جا کر اسلام کی دعوت دینے لگے،

انہوں نے ان قبیلوں کو انہیں ان کا بھولا ہوا سبق یاد دلایا۔ نتیجے میں اطراف واکناف سے لوگ جوق در جوق اسلامی دعوت کے مرکز یثرب کی طرف آنے لگے.....اس کی بازگشت عرب کے ریگستانوں اور صحراؤں میں سنائی دینے لگی۔ دور دور سے اسلام کی حقیقت جاننے کے لئے مدینے کا سفر اختیار کرنے والوں میں دو بھائی کعب بن زہیر اور بجیر بن زہیر بھی تھے۔ یہ دونوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے لئے بلاد غامد سے نکلے تھے۔ بلاد غامدان کا آبائی وطن تھا۔ راستے میں "ابرق العزاف" نامی مقام پر کعب سوچ میں پڑ گیا اور اس نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ اس نے اپنے بھائی بجیر سے کہا پہلے تم جاؤ اور دیکھو مدینہ والے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کیسے پیغمبر ہیں، وہاں سے آکر اپنی رائے دو تو پھر ہم بھی چلیں گے، بجیر نے اپنا سفر جاری رکھا، خدمت رسول میں پہنچتے ہی بجیر مشرف بہ اسلام ہوئے، کعب کو اس کی اطلاع ملی تو بہت برہم ہوئے اور بجیر کو ایک قصیدہ لکھ بھیجا: جس کے چار شعر یہ تھے۔

ألا أبلغا عني بجيراً رسالةً
فهل لک فيما قلت -ويحک- هل لکا

شربت مع المأمون کأسا روية
فانهلک المأمونُ منها وعلّکا

وخالفت أسباب الهدى وتبعته
على أيّ شيء -ويب غيرك- دلکا

على خلق لم تلف أُما ولا أباً
عليه ولم تدرك عليه اخاً لکا(۵)

اس قصیدے میں کعب نے صرف بجیر کی سرزنش کی اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی بھی کی ہے اور کہا کہ ایسے دین کو جو خاندانی روایات کے خلاف تعلیم دیتا ہے، جسے ہمارے آباء واجداد نے کبھی سنا بھی نہ ہو جس کو اپنے پڑوسی اور اشراف قبائل کی حمایت حاصل نہ ہو، تم نے کس طرح قبول کرلیا۔ یہ شعر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گیا۔ ہجو اس وقت کا سب سے بڑا ترسیلی ذریعہ تھا، یہ فتنہ کی جڑ بن سکتا تھا اور اسلام کا اصول ہے کہ فتنہ قتل سے زیادہ مضر ہے کیونکہ ایک فتنہ سے سیکڑوں، ہزاروں اور لاکھوں لوگ لقمہ اجل بن جاتے ہیں، اس

لئے اسلام میں فتنہ کوفرو کرنا بہت ضروری سمجھا جاتا ہے، اسی بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب کا خون ہدر قرار دے دیا، جس کا مطلب تھا کعب کو قتل کرنے سے اس کے خون کا کوئی تاوان ومعاوضہ خواہ قصاص کی شکل میں ہو یا دیت کی شکل میں، کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔

اس کے ساتھ بجیر نے کعب کو یہ شعر لکھ بھیجا:

من مبلغ كعباً فهل لك فى التى
تلوم عليها باطلا وهى أحزم

إلى الله لا العزىٰ واللات وحده
فتنجو إذا كان النجاء وتسلم

لدى يوم لاينجو وليس بمفلت
من النار إلا طاهراً القلب مسلم(٦)

ان اشعار میں بجیر نے کعب سے کہا کہ تم جس دین پر ملامت کررہے ہو، وہی دین حق ہے، ہم نے لات وعزیٰ کا دین چھوڑ کر اللہ کا دین اختیار کیا ہے، جو نجات اخروی اور دنیا میں سلامتی کا یقینی راستہ ہے، بجیر نے اس قصیدہ میں اس کا اشارہ بھی کردیا کہ کعب نے جو راستہ اختیار کیا ہے وہ ہلاکت کا ہے اور عذابِ آخرت کی قسمت میں لکھا جائے گا، دنیا میں بھی اس کی سزا ملے گی۔

ایک طرف بجیر کا یہ قصیدہ کعب کو پریشان کئے ہوئے تھا تو دوسری طرف وہ مختلف قبائل میں مارا مارا پھر رہا تھا اور کوئی اسے پناہ نہیں دے رہا تھا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا خون ہدر قرار دے دیا تھا..... بالآخر کعب بن زہیر نے قصیدہ کی شکل میں ایک معذرت نامہ لکھا اور رسول پاک کی طرف روانہ ہوگیا۔ یہاں آکر اس نے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہلے ملاقات کی اور اپنی نیت سے انہیں آگاہ کیا کہ وہ اسلام قبول کرنا چاہتا ہے اور پوچھا کہ کیا اللہ کے رسول ہمیں معاف کردیں گے، انہوں نے کہا ہاں کیوں نہیں، چنانچہ وہ مسجد نبوی میں اپنے سر پر کپڑا باندھ کر پہنچے اور لوگوں سے اللہ کے رسول کے بارے میں دریافت کیا، لوگوں نے اشارہ سے بتادیا، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کعب اپنے گناہ سے شرمندہ ہے اور توبہ کرکے اسلام میں داخل ہونے کی غرض سے آیا ہے، اگر آپ کے پاس اس کو بھیج دیں تو کیا آپ معاف فرمادیں گے؟ آپ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، 'ہاں' یہ سنتے ہی انہوں نے اپنے رخ سے نقاب ہٹادیا اور کہا کہ اے اللہ کے رسول! کعب میں ہی ہوں، اس کے ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے کر اسلام قبول کرلیا اور آپ کی خدمت میں اپنا معذرت نامہ پیش کیا۔ اس قصیدہ کا مطلع کعب کی ابدی شہرت اور ناموری کا سبب بن گیا۔

بانت سعاد فقلبی الیوم متبول

متیم اثرھا لم یفد مکبول

## ادبی محاکمہ

اس قصیدے میں کلام عرب بالخصوص کلاسیکل عربک لٹریچر کی جھلکیاں بھرپور انداز میں نظر آتی ہیں، اس کی اہمیت وافادیت بلاغت وبیان اس طرح بھی قائم ہوتی ہے کہ یہ قصیدہ ایک صحابی کی زبان سے نکلا ہوا ہے، صحابی کا مقام اپنے آپ میں خود ایک عظیم شے ہے، دوسری اہم بات یہ ہے کہ یہ قصیدہ جو غالب انداز میں مدحیہ ہے، پیغمبر اسلام اور دنیا کی سب سے عظیم شخصیت محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہے، نبی کی شان میں قصیدہ اور صحابی کی زبان ہو، کتنا خلوص اور کتنا جذبہ ہوگا، بالخصوص کسی ایسے صحابی کی طرف سے جس کا دل اسلام کی دولت سے مالا مال ہونے کے لئے مچل رہا ہو، یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جب خلوص اور جذبہ شاعر یا قلم کار کے ہمرکاب ہوتا ہے تو بلاغت وبیان کے سارے ہی اسرار اس پر کھل جاتے ہیں، الفاظ وتراکیب اس کے لئے اپنے آپ کو نچھاور کردیتے ہیں اور وہ تخلیق ساحرانہ اور معجزانہ ادبی شہ پارہ بن جاتی ہے.....یہی حال اس قصیدے کا ہے، یہی وجہ ہے کہ اسے ایسی شہرت ملی جو کسی بھی قصیدے کو نہیں ملی، یہ زبان زد خاص وعام ہوگیا، عربی زبان وادب سے شغف رکھنے والوں میں خال خال لوگ ہی ایسے ہوں گے جو اس قصیدے سے واقف نہ ہوں گے، بالخصوص اس بیت سے جس پر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ردائے رحمت اپنے شانے سے اتار کر شاعر کو پہنائی:

إنّ الرسول لنور یستضاء به

وصارم من سیوف الهند مسلول

اس قصیدے میں جاہلی ادب کی مکمل نمائندگی ملتی ہے، محبوبہ کا ذکر، اونٹنی کے اوصاف، حسن کا سراپا، گریز، مقصد (معذرت پیش کرنا) اور مدح پر خاتمہ، سہل الفاظ کم، غریب کلمات زیادہ مثلاً عذافرہ، تبغیل، لہق، فعم، مقید، علکوم، شملیل زھالیل، برطبل، عساقبل، مثاکیل، قعفا، وغیرہ۔ اس کے قصیدہ میں اس ثقالت کلمات کے باوجود ایک پرکیف روانی اور سلاست بھی ہے، خاص طور سے نعت کا جو شعر ہے وہ بندش اور سلاست دونوں

لحاظ سے ممتاز ہے۔(۷)

اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کعب کا شمار وقت کے ممتاز شعراء میں ہوتا ہے، بلکہ زمانۂ جاہلیت میں ان کی شہرت حطیئہ سے بھی زیادہ تھی، جیسا کہ حطیئہ کے اس قول سے پتہ چلتا ہے، ابن سلام بھی کہتے ہیں کہ حطیئہ نے ایک دن کعب سے کہا:

"قد علمت روايتى لكم اهل البيت وانقطاعى
إليكم ، وقد ذهبت الفحول غيرى وغيرك ،
فلوقلت شعراً تذكر فيه نفسك وتضعنى
موضعاً بعدك فإن الناس لأشعاركم أروى
وإليها أسرع"(۸)

یعنی تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہارے خاندان (کے شعراء مثلاً زہیر بن ابی سلمیٰ کعب کے ماموں خود کعب اور بجیر وغیرہ) کا راوی ہوں، تمہیں ہمارے تعلقات کے بارے میں بھی پتہ ہے میرے اور تمہارے سوا کوئی اور عظیم شاعر بچا نہیں ہے، لہٰذا اگر تم کوئی ایسا شعر کہتے جس میں میرا بھی تذکرہ ہوتا تو بہت اچھا ہوتا اس لئے کہ لوگ تمہارے اشعار کی زیادہ روایت کرتے ہیں اور اسے زیادہ قبولیت ملتی ہے۔

چنانچہ کعب بن زہیر نے ایک قصیدہ لکھا جس کا یہ قطعہ ہے:

فمن للقوافى شأنها من يحكا
إذا ماثوى كعب وفوز جرول

اس سے پتہ لگایا جا سکتا ہے کہ قصیدہ بانت سعاد کی ادبی اہمیت بے وجہ نہیں ہے اس میں کعب بن زہیر کی ادبی شخصیت کا بڑا دخل ہے۔ اس سے بھی بڑی بات یہ ہے۔

نہ میں اچھا نہ میرے شعر اچھے بات اتنی ہے
جسے اچھا کہیں سرکار اچھا ہو ہی جاتا ہے
(جلیل مانک پوری)

# حواشی باب سوم

(۱) شوقی ضیف: تاریخ الأدب العربی ۲/ ۸۷، ص ۸۷ (العصر الإسلامی) قاہرہ مصر ۱۱۱۹ھ

(۲) شوقی ضیف: ص، ۸۷

(۳) نعتیہ الامائل ۱/ ۴۵۶، بحوالہ ردائے رحمت، ص ۱۵

(۴) دیکھئے: ڈاکٹر محمد بن سعد بن حسین کی کتاب ''من شعراء الإسلام، ص ۴۰

(۵) ڈاکٹر شوقی ضیف: تاریخ الأدب العربی جلد دوم (مصر اسلامی) ص، ۸۴

(۶) ایضاً

(۷) مولانا عبداللہ عباس ندوی: ردائے رحمت، ص، ۱۷

(۸) ابن سلام جمحی: طبقات الشعراء، ص، ۸۷، مزید دیکھئے ابوالفرج اصفہانی کی کتاب ''الاغانی'' ۲/ ۱۶۵ مطبوعہ دار الکتب بیروت

## باب چہارم

# قصیدۂ بانت سعاد کے اردو تراجم

# قصیدۂ بانت سعاد کے تراجم وتشریحات

اس قصیدے نے جہاں ردائے رحمت حاصل کر کے خود خیر القرون میں شہرت وناموری حاصل کی وہیں رسول پاکؐ کے عقیدت مندوں نے آپؐ کے بعد اسے مزید شہرت دی۔ اس کا مظاہرہ ہمیں اس قصیدہ کے تراجم وتشریحات کی شکل میں نظر آتا ہے۔ دوران تحقیق مختلف زبانوں میں اس کے تراجم اور تشریحات اور اس کے ردیف وقافیہ پر مبنی تخلیق کئے گئے دیگر نعتیہ کلام تک ہماری رسائی ہوئی۔

چونکہ یہ قصیدہ اصلاً عربی زبان میں ہے، اس لئے لازمی طور پر عربی تراجم وتشریحات کی تعداد زیادہ ہوگی، چنانچہ عربی زبان میں اس کے تراجم وتشریحات کی ایک فہرست موجود ہے، جس میں سے اہم کتابیں حسب ذیل ہیں:

| مترجمین/شارحین | تراجم کی سرخیاں |
|---|---|
| احمد بن محمد الیمنی | الجوھر الوقاد فی شرح سعاد |
| ابن ہشام الانصاری | شرح بانت سعاد |
| عطاء اللہ بن احمد الیمنی | حسن لسیر القصیدۃ کعب بن زہیر |
| عطاء اللہ بن احمد الیمنی | طریق الرشاد إلی تحقیق بانت سعاد |
| علی بن سلطان الہروی | فتح باب السعاد فی شرح بانت سعاد |
| محمد حسن الرصفی | القول المراد فی شرح بانت سعاد |
| مسعود بن حسن بکر القنالی | الإسعاد لحل نظم بانت سعاد |
| محمد صالح الباعی | بلوغ المراد علی بانت سعاد |
| جمال الدین سیوطی | کنہ المراد فی شرح بانت سعاد |

یہ عربی زبان میں قصیدہ بانت سعاد کی اہم شروحات اور تراجم ہیں علاوہ ازیں دنیا کی دیگر متداول زبانوں میں بھی اس کی شروحات اور ترجمے موجود ہیں، جن میں اردو بھی شامل ہے، اردو میں زیادہ مشہور مولانا مفتی الٰہی بخش کاندھلوی متوفی ۱۲۴۵ھ کا دو بیتی منظوم ترجمہ ہے، اس میں اردو میں منظوم ترجمہ کے علاوہ فارسی اور

عربی میں بھی منظوم ترجمہ موجود ہے نیز عربی میں تشریح بھی ہے۔

رئیس نعمانی نے بھی اپنے مجموعۂ نعت ''چراغ نوا'' میں اس قصیدہ کا منظوم ترجمہ کیا ہے، جو رباعی کی ہیئت میں ہے۔ اس میں کل بیس نظمیں ہیں، سب سے آخری نظم ''منظوم ترجمۂ قصیدہ بانت سعاد'' ہے۔ انہوں نے ۲۰۰۰ء میں ترجمہ کیا تھا، جو ۲۰۰۰ء میں ہی علی گڑھ سے شائع ہوا۔

جہاں تک اردو میں اس قصیدہ کے نثری تراجم کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں سب سے مقبول مولانا عبداللہ عباس ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ ہے۔ یہ کتاب ''ردائے رحمت'' (قصیدۂ بانت سعاد اور قصیدہ بردہ کی اردو میں شرح وترجمانی) کے عنوان سے ۱۹۸۹ء میں شائع ہوئی۔ اس میں قصیدہ بانت سعاد کے ترجمہ وتشریح کے ساتھ ساتھ علامہ بوصیری کے ''قصیدۂ بردہ'' کی شرح وترجمہ بھی ہے، اس کا ایک اور نثری ترجمہ وتشریح مولانا ذوالفقار علی دیوبندیؒ نے بھی کیا ہے۔ جو ۱۳۱۷ھ میں شائع ہوا، تاہم یہ ترجمہ ہمیں تلاش بسیار کے باوجود دستیاب نہ ہوسکا۔ اس لئے قصیدہ کے منثور تراجم کا تجزیہ صرف مولانا عبداللہ عباس ندوی کے ردائے رحمت اور منظوم تراجم کا جائزہ مولانا الٰہی بخش کاندھلوی کے ''شرح بانت سعاد'' اور رئیس نعمانی کے ترجمہ ''چراغ نوا'' کے حوالے سے لیا جائے گا۔

مختلف اہل ذوق نے اسی قصیدہ پر مبنی قصائد مخمس، مسدس اور مسبع کی شکل میں کی ہے۔ ایسے بیس سے زائد شعراء ہیں جنہوں نے اپنے قصائد کو اسی ردیف اور قافیہ میں طبع آزمائی کی ہے۔ ان میں سے کچھ قصائد کے مطلع کو ذکر کیا جارہا ہے:

لا تعذُلاه فما ذوالحب معذول
العقل مختبل والقلب مستول

یہ مقطع اثیرالدین ابوحیان اندلسی کے قصیدے کا ہے جن کی وفات ۶۹۲ھ میں ہوئی ہے۔

قلبی بکم یاأهیل الحیّ ماهول
وحبله بأمانی الوصل موصول

ابن سیدالناس البصری الشافعی (ت ۷۳۴ھ) نے اپنے قصیدے کا آغاز اس سے کیا ہے۔

سلمی سلمتِ ففیک الصبُّ مقتول
والعذر منک شبیر العذر مقبول

یہ نورالدین الہمذانی (ت ۷۳۹ھ) کے قصیدے کا مطلع ہے۔

ما الطرف بعدکم بالنوم مکحول

ھذا وکم بیننا من ربعکم میل

یہ جمال الدین ابن نباتہ المصری (ت ۷۶۸ھ) نے اپنے قصیدے کا مطلع اس شعر سے شروع کیا ہے۔

بانت سعاد، فعقد الصبر محلول

والدمع فی صفحات الخد مبذول

یہ ابن جابر الندلسی (ت ۷۸۰ھ) کے قصیدۂ معارضہ کا مطلع ہے۔

جرح الجفون بقذف الدمع تعدیل

والحب شاھدہ المجروح مقبول

برہان الدین القیراطی (ت ۷۸۱ھ) نے اس قصیدے کی تخلیق کی ہے۔

إلی متی انت باللذات مشغول

وانت من کل ما قدمت مسئول

یہ صاحب قصیدہ بردہ شیخ محمد بن سعید البوصیری (ت ۶۹۶ھ) کے قصیدے کا مطلع ہے۔

أضاء لی باللوی والقلب متبول

نجدی برقِ بناء الحب موصول

یہ ابوالقاسم محمود الزمخشری صاحب تفسیری الکشاف (ت ۵۳۸ھ) کے تخلیق کردہ قصیدے کا مطلع ہے۔

صب علیل وما بالربع تعلیل

فلیس إلا علی الاعوال تعویل

عبدالمحسن التنوخی الحلبی (ت ۶۴۳ھ) نے اپنے قصیدے کا مطلع اس طرح قائم کیا ہے۔

مصونُ ومعی علی الحدین مبذول

وفیکم أنا معذور معذول

یہ آٹھویں صدی ہجری کے مشہور عالم علاء الدین الدمشقی کے قصیدے کا مطلع ہے جس کا نام "شمس المطالع فی مدح القمر الطالع" ہے۔

هل حبل عزة بعد البين موصول

أوبارق الوصل بين البين مأمول

اس سے محی الدین ابوطاہر محمد بن یعقوب الفیر وزآبادی صاحب القاموس نے اپنے قصیدے ''زادالمعادفی معارضۃ بانت سعاد'' کا مطلع قائم کیا ہے۔

سیف العیون علی العشاق مسلول

وصارم اللحظ مسنون مصقول

یہ اسماعیل بن محمد القلقشندی (ت ۸۲۱ھ) کے قصیدے کا مطلع ہے۔

قلب علی الحب والأشواق مجبول

هیهات ینفع فیه القال والقیل

شمس النواجی (ت ۸۵۹ھ) اس مطلع کے خالق ہیں

هل فی البروق عن الاحباب تعلیل

لا والذی وماله فی الحکم تعلیل

عبدالغنی النابلسی نے بھی قصیدۂ معارضہ لکھا ہے جس کا نام ''نفحۃ القبول فی مدح الرسول'' رکھا ہے، یہی اس قصیدے کا مطلع ہے۔

علاوہ ازیں دیگر کئی قصائد ہیں جو قصیدہ بانت سعاد کے ردیف اور قافیہ پر مبنی ہیں، اس سے تراجم وتشریحات کے علاوہ تعاریض کی سطح پر بھی اس قصیدے کی عظمت کو واضح کیا گیا ہے، قصائد معارضہ کا تعلق کسی نہ کسی شکل میں تراجم وتشریحات سے ضرور قائم ہوتا ہے۔ ان قصائد سے گو کہ ہر ایک شعر کا مفہوم واضح نہیں ہوتا مگر بنیادی طور پر اس قصیدے کے مختلف گوشوں کو ضرور ان سے روشنی ملتی ہے چنانچہ ان سے قصیدے کے فکرۂ رئیسیہ (Centeral Idea) کی وضاحت کے ساتھ ساتھ اس کے اصل ہدف (مدح رسول) کی بھی تکمیل ہوتی ہے۔ معارضہ کے سارے شعراء نے اس قصیدے کا لازمی طور پر مطالعہ کیا ہوگا اور اس کے معانی کو اپنے قصائد میں منتقل کرنے کی کوشش کی ہوگی۔ چنانچہ انہوں نے ایسا بالفعل کیا ہے اور یہ بات جگ ظاہر ہے کہ نقل معانی اور انتقال مفہوم ہی کو ترجمہ کہا جاتا ہے۔ بایں ہمہ زیر بحث قصیدہ کے معانی کو منتقل کرنے کی روایت ان شعراء کے یہاں واضح طور پر ملتی ہے، جیسا کہ قاضی محی الدین بن عبدالظاہر کے قصیدۂ معارضہ (طرحی قصیدہ) کے آخر کے یہ

دوشعر دلالت کرتے ہیں:

قد قال كعب في النبي قصيدة
وقلنا، عسى في مدحه نتشارك
فإن شملنا بالجوائز رحمة
كرحمة كعب فهو كعب مبارك(۱)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کعب نے ایک قصیدہ کہا اور میں نے بھی کہا، تا کہ ان کی مدح میں ہم سب شریک ہو جائیں، اگر نبی پاکؐ نے اپنی رحمت سے ہمیں بھی اپنے انعامات سے نواز دیا جیسا کہ کعب پر رحم فرمایا تھا تو میرا قدم (عمل) مبارک ہوگا۔

اسی طرح شمس الدین النواجی نے بھی اپنے طرحی قصیدہ ''بانت سعاد'' کے آخر میں اسی حقیقت کا اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ وہ سخن نواز ہیں:

كعب له في مديح المصطفىٰ قدم
سباقة وبخير الخلق تفضيل

وروضة ابن زهير طاب مغرسها
فزها هابندى كفّيه مطلول

وإن نسجت على منوال بردته
طراز مدح، له بالدر تلكيل

فإنّه كان مفتاحا لباب هدى
لنابه في ديار الخلد تاهيل

إن لم أفز بقبول في متابعتي
بانت سعاد فقلبي اليوم متبول(۲)

---

بحوالہ، ردائے رحمت، ص:۲۱

المطالع السمیہ دیوان الشمس النواجی قلمی کتب خانہ حرم، مکہ ادب ۱۸۸۱ء

یعنی:

- نعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں کعب رضی اللہ عنہ کو ید طولیٰ حاصل ہے اور مخلوق کے سب سے اچھے انسان سے ان کی فضیلت ثابت ہے۔
- ابن زہیر کے لگائے ہوئے باغ کی زمین بڑی مبارک ہے اس کو اور بھی پر بہاران مبارک ہاتھوں کی سخاوت نے کر دیا، جس کی شبنم سے وہ سینچا گیا۔
- اگر میں نے ان (کعب) کی ''چادر'' کے انداز پر مدح کی ایک چادر بنی جس کی گوٹ موتیوں سے مزین ہے۔
- تو اس لئے کہ وہ بابِ ہدایت کی کنجی ہے، جس سے جنت کی منزل میں سکونت کا دروازہ کھلے گا۔
- اور اگر (خدانخواستہ) میں پیروی میں قبولیت سے سرفراز نہیں کیا گیا تو ''سعاد'' جدا ہو جائے گی اور یوں آج میرا دل زخمی ہو جائے گا۔

ان دونوں مثالوں سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ ان طرحی قصیدوں کا تراجم وتشریحات سے بجا طور پر علاقہ ثابت ہے۔

''قصیدہ بانت سعاد'' کے تراجم وتشریحات کے حوالے سے مختصر اور تمہیدی گفتگو کرنے کے بعد اب باب کے بنیادی موضوع کی طرف رجوع کیا جا رہا ہے اور اس کے منثور و منظوم اردو تراجم کے بارے میں تفصیلی گفتگو پیش کی جا رہی ہے۔

چونکہ قصیدہ کے اردو نثری ترجمہ میں صرف مولانا عبداللہ عباس کے ترجمے ''ردائے رحمت'' تک ہماری رسائی ہوئی ہے، اس لئے اس کے حوالے سے قصیدہ کے اردو منثور ترجمے کا تجزیہ پیش کیا جارہا ہے۔

# قصیدہ بانت سعاد کے نثری ترجمے کا جائزہ

## (ردائے رحمت کے حوالے سے)

### ردائے رحمت تعارف وتجزیہ

''ردائے رحمت'' وقت کے نامور قلم کار اور ادیب ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کی رشحات قلم کا شاخسانہ ہے جیسا کہ یہ بات گزر چکی ہے کہ ''ردائے رحمت'' نامی یہ کتاب صحابی رسول کعب بن زہیر کے قصیدۂ بانت سعاد اور علامہ بوصیری بربری کے قصیدۂ بردہ کی اردو میں شرح وترجمانی پر مبنی ہے۔ کتاب کا ٹائٹل ردائے رحمت ہے، جو قصیدے کے نہایت ہی اہم پہلو کی ترجمانی کرتا ہے۔ چنانچہ رحمت دو عالمؐ کی ردائے مبارک کا عطیہ دونوں قصیدوں پر ملا ہے۔ جہاں تک کعب بن زہیر کے قصیدے کا تعلق ہے تو انہوں نے خود رسالت مآب صلعم کی شان میں ایک مدحیہ کلام پیش کیا تھا، جس میں معذرت ومدح سرائی کے ساتھ ساتھ قدیم قصیدے کے سارے عناصر موجود ہیں۔ انہوں نے یہ قصیدہ آپؐ کے روبہ رو مسجد نبوی میں پیش کیا تھا اور جس کے ایک شعر پر خوش ہوکر سرور کائنات نے اپنی ردائے مبارک انہیں مرحمت فرمائی تھی جس کی وجہ سے اسے کافی شہرت وناموری ملی۔ جہاں تک علامہ بوصیری کے قصیدہ بردہ کا تعلق ہے تو اس قصیدہ پر بھی رسول پاکؐ کی طرف سے چادر عطا کئے جانے کی روایت ملتی ہے۔ چنانچہ علامہ بوصیری نے خواب میں دیکھا کہ وہ رسول پاکؐ کے روبرو آپ کی شانِ مبارک میں ایک مدحیہ قصیدہ پیش کررہے ہیں جس سے خوش ہوکر آپ نے اپنی ردائے رحمت انہیں ہدیہ کردیا ہے، خواب سے بیدار ہونے کے بعد انہوں نے اس قصیدے کی تخلیق کی، چونکہ دونوں قصائد میں رسول رحمت کی طرف سے ردائے رحمت عطا کئے جانے کا واقعہ ملتا ہے اسی لئے ان دونوں قصائد کی اردو میں شرح وترجمانی کرتے ہوئے مترجم نے اپنی کتاب کا ٹائٹل ''ردائے رحمت'' رکھا۔ یہی دونوں واقعے اس کتاب کی وجہ تسمیہ بھی ہیں۔

یہ کتاب عربی کے مذکورہ بالا دونوں قصائد کی اردو زبان میں ایک مبسوط ومفید شرح ہے۔اس میں اشعار کا ترجمہ ان کی لفظی اور معنوی تشریح اور خلاصۂ مضمون پیش کرنے اور اہل علم وادب کے لئے ادبی نکات اور نحو وبلاغت کے اہم پہلوؤں کی طرف رہنمائی کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے، نیز کلام کا پس منظر اس کا مکمل مفہوم اور خصوصیات دلکش پیرایۂ بیان اور عالمانہ انداز میں بیان کیا گیا ہے اور ہر طرح کی منطقیانہ اور عامیانہ موشگافیوں سے پرہیز کرکے پوری قوت کلام کے مفہوم کو سہل اور اس کی ادبی حلاوت کو عام بنانے پر مرکوز کی گئی ہے، تاکہ پڑھنے والے کو کلام کی خوبیوں اور اس کی قوت وتاثیر کا صحیح طور سے اندازہ ہوسکے اور وہ اس سے پورا فائدہ حاصل کرسکے۔

یہی نکات قصیدہ بانت سعاد کے نثری ترجمے کی خصوصیات اور طریقۂ کار کا بھی تعین کرتے ہیں، چونکہ مترجم بذات خود عربی اور اردو دونوں زبانوں کے باکمال ادیب اور مشہور صاحبِ کلام تھے اور مترجم کے لئے مصدر زبان (Source Language) اور ہدف زبان (Target Language) دونوں میں مہارت رکھنا ضروری ہے، دونوں زبانوں سے واقفیت ہی اچھے ترجمے کو جنم دے سکتی ہے اور زیر بحث مترجم اس اصول پر کھرے اترتے ہیں اس لئے زیر بحث ترجمے کا بھی بہترین شاہکار ہونا ایک بدیہی سی بات ہے۔

اس ترجمے کی ایک ضروری خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ترجمے کی قدیم روایات کی عامیانہ تقلید نہیں کی گئی ہے بلکہ مترجم نے اپنی صواب دید کے مطابق عبارت فہمی کی روش اختیار کرتے ہوئے ترجمانی میں نئے اور انوکھے انداز کو حرزِ جاں بنایا ہے، بہت سارے ابیات کے متداول مفہوم میں نئے افق اور نئے دریچے وا کرنے کی کوشش کی ہے، اسی طرح نحویوں اور صرفیوں کے قید وبند کے حصار کو بھی توڑنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے بلکہ کتاب کے شروع میں ''عرض مؤلف'' کے ضمن میں نحو وصرف کی قید وبند کی شدتوں پر آنسو بہایے ہیں، اس کی آڑ میں زبان وادب اور فصاحت وبلاغت کے گلہ گھونٹے جانے پر ماتم بھی کیا ہے۔

مترجم نے بوقت ضرورت بین القوسین کا بھی استعمال کیا ہے جس سے اشعار کی بہتر ترجمانی کی راہ ہموار ہوئی ہے اور اچھی تفہیم کی فضا سازگار ہوئی ہے۔ یہ ترجمہ اپنے صاف وشفاف طرزِ تحریر، شگفتہ اسلوب اور پاکیزہ بیانی میں منفرد حیثیت رکھتا ہے۔ منجملہ یہ ہے کہ ردائے رحمت میں قصیدے کی نہایت ہی خوبصورت، سلیس اور فصاحت وبلاغت سے بھرپور ترجمانی کی گئی ہے جس کی وجہ سے یہ ترجمہ اردو داں طبقہ میں کافی معروف ومقبول ہوچکا ہے۔

## ردائے رحمت کا تجزیہ

ردائے رحمت میں قصیدہ بانت سعاد کے کل ابیات کی تعداد (۵۹) ہے۔ مترجم نے قصیدۂ بانت سعاد کے ہر شعر کے ترجمہ کے بعد مشکل کلمات کے لغوی و معنوی اور اصطلاحی مفہوم سے بحث کی ہے۔ ذیل میں ترجمے کے ساتھ ہر شعر نقل کرنے کے بعد ترجمے اور حل طلب مقامات پر مترجم کی بحث پر تبصرہ درج ہے۔ مترجم نے جن مربوط اشعار کا ترجمہ اور ان کے مفاہیم سے ایک ساتھ بحث کی ہے، ان پر تبصرہ بھی اسی انداز میں کیا گیا ہے، ایسی مثالیں بھی ہیں جن میں مترجم نے صرف ترجمے پر اکتفا کیا ہے، ان موقعوں پر تبصرہ بھی ترجمے تک محدود ہے۔

(۱) مطلع بانت سعاد فقلبی الیوم متبول

متیم إثرها، لم یفد، مکبول

ترجمہ : ''میرا دل بے چین ہے، آج سعاد داغِ مفارقت دے گئی، اور میں اس کے پیچھے ایسا محبت کا غلام ہوں جس کے پیر میں بیڑیاں ڈال دی گئی ہیں اور جس کی رہائی کے لئے کوئی فدیہ نہیں دیا گیا ہے۔''

تبصرہ : یہاں ''متبول'' کے بجائے بعض نسخوں میں ''مبتول'' ہے، مترجم نے ''متبول'' کی روایت پر اعتماد کرتے ہوئے ترجمہ کیا ہے، ''متبول'' کا ترجمہ ''محبت کا غلام'' سے کیا ہے، اس کے بعد ''جس کے پیر میں بیڑیاں ڈال دی گئی ہیں اور جس کی رہائی کے لئے کوئی فدیہ نہیں دیا گیا ہے'' کو دیکھتے ہوئے متبول کا ترجمہ ''اسیر محبت'' سے کرنا ترجمہ میں مزید سلاست پیدا کر دیتی ہے جو اردو زبان کی روح سے قریب تر بھی ہے، مترجم نے تشریح کے دوران ان کا مفہوم یوں بھی واضح کرنے کی کوشش کی ہے ''سُعاد'' دور چلی گئی، میرا دل مضطرب ہے اور خود میرا وجود ایک ایسے قیدی کے مانند ہے جس کی ضمانت نہ ہو رہی ہو اور پیروں میں بیڑیاں پڑی ہوں، تاہم زیر بحث شعر میں ''لم یُفد'' وارد ہے جس کا مطلب ہے ''جس کا فدیہ نہیں دیا گیا ہے'' پہلے ترجمے میں ''فدیہ'' دوسرے میں ''ضمانت'' گو کہ لفظ کی روح سے ہم آہنگ نہیں کیونکہ ضمانت میں مجرم کلی طور پر آزاد نہیں ہوتا ہے لیکن فدیہ دینے سے کلی طور پر آزادی حاصل ہو جاتی ہے..... تاہم معاصر عہد میں ''ضمانت'' کے استعمال سے نقل مفہوم کا مقصد قدرے واضح ہو جاتا ہے۔

(۲) وما سعاد غداة البين إذ راحلوا
إلّا أغنّ غضيض الطرف مكحول

ترجمہ : ''جب صبح کو قافلہ روانہ ہو رہا تھا، جس قافلہ میں سعاد بھی تھی اس وقت اس کی دھیمی نسوانی آواز، سرمگیں آنکھیں، نیچی نگاہیں (آنکھوں کے سامنے گھوم رہی ہیں)۔''

تبصرہ : اس شعر میں محبوب کے سراپا کا ذکر کیا گیا ہے، یہاں ''جس قافلہ میں سعاد بھی تھی'' لفظی اعتبار سے زائد ہے، اسی طرح (آنکھوں کے سامنے گھوم رہی ہیں) کو بین القوسین کے ذریعہ مفہوم کی وضاحت بھی ایک زائد تعبیر معلوم ہو رہی ہے۔ مقالہ نگار کی صواب دید کے مطابق اس کا صحیح ترجمہ یوں ہو سکتا ہے ''صبح کے وقت جب لوگ کوچ کر رہے تھے سعاد کا سراپا کچھ یوں تھا کہ اس کی آواز دھیمی نسوانی، آنکھیں سرمگیں اور نگاہیں نیچی تھیں۔

(۳) هيفاء مقبلة، عجزاء مدبرة
لا يشتكي قصر منها ولا طول

ترجمہ : ''جب سامنے ہوتی ہے تو چھریرے بدن کی معلوم ہوتی ہے، جب پیچھے مڑتی ہے تو بھاری بھرکم (گداز جسم) کی نظر آتی ہے، اس کا قد ایسا ہے جس میں نہ پستہ قد ہونے کی شکایت کی جا سکتی ہے نہ دراز قد ہونے کی۔''

تبصرہ : اس شعر کا ترجمہ بہت حد تک رعایت لفظ اور زبان کی روح سے قریب تر ہے۔

(۴) تجلو عوارض ذی ظلم إذا ابتسمت
كأنه منهل بالراح معلول

ترجمہ : ''جب وہ مسکراتی ہے تو لعاب دہن سے تر دانت چمک اٹھتے ہیں جیسے اسی راہ سے پہلا جام شراب اور دوسرا جام شراب گزرا ہے۔''

تبصرہ : اس شعر کا مفہوم یہ ہے کہ سعاد کے دانت لعاب دہن سے تر ہیں، جب وہ مسکراتی ہے تو یہ دانت چمک اٹھتے ہیں، گویا اس پر جام پر جام انڈیلے گئے ہوں جس سے تراوٹ میں اضافہ اور دانتوں میں حسن پیدا ہو جاتا ہے۔ ''ذی ظلم'' کا ایک معنی ''بریق'' کا ہوتا ہے، جس کی طرف مترجم نے اشارہ بھی کیا ہے (۱) جس

(۱) بحوالہ، ردائے رحمت، ص:۳۱ (حاشیہ)

کے مطابق ترجمہ کچھ یوں ہوگا ''جب وہ مسکراتی ہے تو ایسے چمکدار دانت دکھائی دیتے ہیں جس پر یکے بعد دیگرے دو دو جام کے دور چلائے گئے ہوں۔ دراصل ''چمکدار'' اور ''لعاب دہن سے تر دانت'' دونوں میں قریب تعلق ہے، دونوں سے سعاد کی خوشحالی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، کیونکہ عرب ایک ریگستانی علاقہ ہے، پانی وہاں کی بڑی نعمت تھی، جسے پانی میسر ہو اس کے دندان چمکدار ہو جاتے ہیں لیکن پیاس سے اور بدحالی سے لوگوں کے دانت خشک اور سوکھے ہوتے ہیں۔

(۵) شجت بذی شبم من ماء محنیة
صاف بأبطح أصحیٰ وهو مشمول

(۶) تنفی الریاح القذیٰ عنه وأفرطه
من صوب ساریة بیض یعالیل

ترجمہ : ''محبوب کے دنداں ایسی شراب سے تر ہیں جس میں ٹھنڈا اور صاف وشفاف پانی ملا ہوا ہے، نیز وہ پانی ایسے برفانی اولوں سے پگھل کر بنا ہوا ہے وہ پانی جو بہہ کر وادی کے موڑ پر بلندی سے گرا ہو اور سطح پر آکر صاف وشفاف نظر آتا ہو اور شمال کی جانب سے چلنے والی ہوا اس کو سرد رکھتی ہے۔''

دوسرے شعر کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہوائیں اس پانی سے گرد و خاشاک کو دور کرتی ہیں اور اس صفائی اور ٹھنڈک کو اس بارش کا پانی اور بڑھا دیتا ہے جو رات کو اٹھنے والے بادل سے برستا ہے اور مسلسل پانی بہانے والے پہاڑ اضافہ کرتے رہتے ہیں۔''

تبصرہ : گو کہ دونوں اشعار کا ترجمہ کافی حد تک لفظوں کی رعایت کرتے ہوئے کیا گیا ہے تاہم ہدف زباں (Target language) کی روح کا خیال نہیں رکھا گیا ہے۔

(۷) اکرم بهاخلة لو أنها صدقت
موعودها أولو أنّ النصح مقبول

(۸) لكنها خلة قد سیط من دمها
فجع و ولع و إخلاف وتبدیل

ترجمہ : ''اس کی دوستی کتنی قابل عظمت ہوئی ہے یا وہ کس درجہ اچھی دوست ہوتی، کاش وہ اپنے

وعدے کی سچی اور بات ماننے والی ہوتی، لیکن وہ تو ایسی دوست ہے کہ اس کی رگ وپے میں دکھ پہنچانا اشتیاق بڑھانا، وعدہ خلافی کرنا اور مکر جانا سرایت کئے ہوئے ہے۔''

تبصرہ : یہاں مترجم نے اپنے ترجمہ پر کوئی تبصرہ وتشریح نہیں کی ہے، بلکہ صرف ترجمے پر اکتفا کیا ہے۔ یہاں ''اکرم بہا خلۃ'' فعل تعجب ہے، جس کی بہتر ترجمانی ''کیا ہی اچھا دوست ہوتی اگر وہ.....'' یہاں ''خلۃ'' پہلے اور دوسرے دونوں اشعار میں وارد ہے، دونوں میں اسم (دوست) کے معنی میں استعمال ہوا، ''دوستی'' کا معنی کرنا اسے ''مصدر'' قرار دینے کا باعث ہے اور یہ بات طے ہے کہ پہلے مصرعے میں ''مصدر'' نہیں ہے۔ لہٰذا مصدر کا ترجمہ کرنا ترجمے میں ضعف کو ظاہر کرنا ہے۔

(۹) فما تدوم على حال تكون بها
كما تلوّن في أثوابها الغول

(۱۰) ولا تمسك بالوعد الذي زعمت
إلا كما تمسك الماء الغرابيل

ترجمہ : ''کسی حال پر اس کو قرار نہیں، اور ہر آن اس طرح رنگ بدلتی ہے جیسے بھوت پریت اپنے پیراہن اور شکلیں بدلتے ہیں اور وعدہ کا اس کے یہاں کوئی پاس نہیں ہے اور جو وعدہ کرتی ہے وہ اتنی ہی دیر قائم رہتا ہے جتنی دیر چھلنی میں پانی۔''

تبصرہ : ان کی ترجمانی کافی حد تک قابل تعریف ہے، تاہم ''فیما تدوم علی حالٍ تکون بھا'' کا ترجمہ ''کسی حال پر اس کو قرار نہیں'' کرنا تعبیر میں خلل سے مبرا نہیں بلکہ کسی ایک حال پر اسے دوام نہیں، اسی طرح ''اور ہر آن اسی طرح رنگ بدلتی ہے'' کو بین القوسین میں ہونا چاہیے، کیونکہ ''تلون'' لفظاً وارد نہیں بلکہ مفہوماً مترجم نے یہ جملہ استعمال کیا ہے جسے ترجمے کے اصول کے مطابق بہر حال قوسین کے اندر ہونا چاہیے تھے۔

(۱۱) فلا يغرنك ما منت وما وعدت
إن الأماني والاحلام تضليل

(۱۲) كانت مواعيد عرقوب لها مثلا
وما مواعيدها الا الأباطيل

(۱۳) أرجو وآملُ أن تدنو مودّتها
وما إخال لدينا منك تنويل

ترجمہ : ''جوتمناوہ دل میں پیدا کرے یا امیدیں دلائے یا وعدے کرے اس سے دھوکہ نہ کھانا، جھوٹی امیدیں دلانا اور خواب وخیال کی باتیں بنانا راہ روی ہے، اس کے وعدوں پر عرقوب کی مثال صادق آتی ہے، اور اس کے وعدے ہمیشہ لغو اور باطل ہوتے ہیں (مگر پھر بھی) چاہتا یہی ہوں، امید یہی ہے کہ اس کی چاہت بڑھے، مگر اے سعاد! میں نہیں سمجھتا کہ تمہاری طرف سے مجھے محبت کا جواب ملے گا۔''

تبصرہ : یہاں پہلے شعر کے دوسرے مصرعے میں ''إن الأماني والاحلام تضليل'' کا ترجمہ مترجم نے یوں کیا ہے کہ ''جھوٹی امیدیں دلانا اور خواب کی باتیں بنانا بے راہ روی ہے'' یہاں ''احلام'' کا ترجمہ ''خواب وخیال کی باتیں بنانا'' صحیح تعبیر کی روح سے کلی طور پر ہم آہنگ نہیں ہے، خواب وخیال کی باتیں کرنا زیادہ مناسب ہے، بلکہ ''سبز خواب دکھلانا'' اس سے زیادہ بہتر تعبیر ہو سکتی ہے۔

یہاں تک شاعر نے اپنی محبوبہ کے سراپا کا جائزہ لیا ہے جس میں اس کی تمام تر خوبصورتی کے باوجود اس کے اخلاق ومروت پر سوالیہ نشان لگایا ہے، محبت کے جذبات کی ناقدری کی بات کہی گئی ہے، اس کے بعد قصیدہ کا پہلا گریز شروع ہوتا ہے اور شاعر محبوب کے فراق میں لگ جاتا ہے جس تک کوئی برق رفتار سواری ہی اسے پہنچا سکتی ہے اور شاعر کے اس دور میں اونٹنی ہی ریگستان کا جہاز بن سکتی تھی اس لئے شاعر اس اونٹنی کے اوصاف بیان کرتے ہوئے سخن نواز ہے۔

(۱۴) أمست سعاد بأرض ما يبلغها
إلّا العتاق النجيبات المراسيل

ترجمہ : ''سرشام سعاد ایسی بستی میں پہنچ گئی ہے (یاد رہے کہ قافلے، خاص طور پر جن میں خواتین ہوں، سرشام کہیں پڑاؤ کرتے تھے) جہاں صرف اچھے نسل کی اصیل، تیز رو اونٹنیاں ہی پہنچ سکتی ہیں جو تھکنے کے بعد بھی تیز گام وتیز رو ہوتی ہیں۔''

تبصرہ : یہاں ''سرشام سعاد ایسی بستی میں پہنچ گئی ہے'' رعایت لفظی کا اعتبار کرتے ہوئے اس کا ترجمہ یوں بھی کیا جا سکتا ہے کہ ''سعاد کی شام ایسی سرزمین پر ہو رہی ہے جہاں صرف.....الخ)

(۱۵) ولن يُبَلِّغُها إلا عذافرة
فيها على الأين إرقال وتبغيل

ترجمہ : ''اوراس بستی تک صرف چوڑے چکلے ہڈیوں والی ایسی اونٹنیاں پہنچ سکتی ہیں جو تھکنے کے بعد بھی تیز گام وتیز رو ہوتی ہیں۔''

تبصرہ : مترجم نے ''عذافرۃ''''الأین''''ارقال''اور''تبغیل'' کے معنی بھی پیش کئے ہیں،اس میں بہت حد تک الفاظ کی روح تک پہنچنے کی کوشش کی گئی ہے۔تاہم اس ترجمہ میں کچھ اضطراب پایا جاتا ہے، چنانچہ تھکنے کے بعد تیز گام ہونا صرف ارقال کا مفہوم ہے،تبغیل کا مفہوم''اونچے نیچے راستہ پر تیز دوڑنا ہوتا ہے، یہاں اونچے نیچے (پر پیچ) راستوں پر بھی اس کا تیز گام ہونا واضح نہیں،لہٰذا اگر اس کا ترجمہ یوں کیا جائے تو بہتر ہوگا'' جو تھکاوٹ کے باوجود بھی تیز گام رہتی ہے پر پیچ اور غیر ہموار راستوں پر بھی اس کی تیز رفتاری قائم رہتی ہے۔

(۱۶) من كل نضاخة الذفرىٰ إذا عرقت
عرضتها طامس الأعلام مجهول

ترجمہ : ''جب بھی وہ پسینہ آلود ہوتی ہے تو اس کے کان کی لو سے پسینے کی دھار جاری رہتی ہے اور اس کی ہمت کے آگے انجان راستے ہوتے ہیں۔''

تبصرہ : اس شعر میں''نضاخۃ الذفریٰ'' کا ترجمہ''اس کی کان کی لو سے پسینے کی دھار جاری رہتی ہے'' کیا،اور''طامس الأعلام'' کا نشان راہ جو صفت کی اضافت موصوف کی طرف کرنے کی صورت میں مستفاد ہوتی ہے، حالانکہ صفت کی اضافت موصوف کی طرف قدیم نحوی قاعدے میں متداول بلکہ جائز ہی نہیں ہے۔اس پر تعلیق چڑھاتے ہوئے خود مترجم نے لکھا ہے''نضاخۃ الذفریٰ''اور''طامس الأعلام'' کو میں نے اضافتِ صفت موصوف کی طرف کہا ہے، قدیم نحوی اصطلاح میں یہ بات جائز نہیں ہے، وہ موصوف محذوف مانتے ہیں، لہٰذا کہیں گے کہ دراصل''ناقۃ نضاخۃ الذفریٰ''اور''طریق طامس الأعلام'' تھا،مفہوم ایک ہی ہے۔(۱)

(۱۷) ترمي الغيوب يعيني مفرد لهق
إذا توقدت الحزاز والميل

(۱۸) ضخم مقلدها عبل مقيدها
في خلقها عن بنات الفحل تفضيل

(۱) بحوالہ،ردائے رحمت،ص:۳۵

ترجمہ : ''وہ ان دیکھی راہ کو اجلے رنگ کے بیلوں کی آنکھوں سے دیکھتی ہے، جب اس کے سامنے ریت کے تودے اور اونچے ٹیلے نظر آتے ہیں۔''

ترجمہ : ''اس کی گردن بھاری ہے، اس کے قدم مضبوط ہیں، اس کی بناوٹ سانڈنیوں سے بڑھ کر بھاری بھرکم ہے۔''

تبصرہ : پہلے شعر میں ''ترمی'' کے بجائے بعض نسخوں میں ''تری'' کا لفظ وارد ہے، مترجم نے اس شعر کی تشریح کے دوران لکھا ہے کہ ''ترمی'' کے معنی قصد اور ارادہ کرنے کے ہیں، یعنی یہ اونٹنی ان دیکھے راستے اور اندھے موڑ کی طرف بھی چلنے کی ہمت کرتی ہے اور اپنا راستہ دیکھ لیتی ہے۔'' لیکن محقق کے علم کے مطابق ''ترمی'' کا استعمال جب بصر یا عین (آنکھ ونگاہ) کے ساتھ ہو تو اس سے نگاہ دوڑانے کا معنی مستفاد ہوتا ہے، ارادہ یا قصد نہیں، مطلق ''رمی'' سے قصد وارادہ کا معنی ہی مستفاد ہوتا ہے۔

(۱۹) غلباء وجناء علكوم مذكرة
فی دفّها سعة قُدّامها میل

ترجمہ : ''اس اونٹنی کی گردن موٹی، اس کے تھوتھنے بھاری، مادہ ہوتے ہوئے نر کے مشابہ گردن کا نچلا حصہ چوڑا اور اس کی ٹانگیں لانبی ہیں۔''

تبصرہ : اس میں ''میل'' کا مجازی ترجمہ کیا ہے، کیونکہ ''میل'' کے معنی دو فرسخ کی مسافت ہے جو اس کے وسیع وعریض ہونے پر دال ہے، اس لئے مترجم نے ''لانبی'' کا ترجمہ کیا ہے۔

(۲۰) وجلدها من أطوم لایویسه
طلح بضاحیة المتنین مهزول

ترجمہ : ''اس اونٹنی کی کھال (بہت چکنی اور سپاٹ ہونے کی وجہ سے) بحری کچھوے کی مانند ہے، اس کے جسم کے ان حصوں کو جو آفتاب کے رخ پر ہوتے ہیں کلنی یا چچڑی اپنے قابو میں نہیں کرسکتی یا کمزور نہیں کرسکتی۔''

تبصرہ : یہاں ''ضاحۃ المتنین'' (جسم کے وہ حصے جو آفتاب کے رخ پر ہوتے ہیں) سے مراد 'اونٹ کے اگلے دونوں قدم کا بالائی حصہ جس پر دھوپ پڑتی ہے' ہے ترجمہ کرتے وقت اس کی اگلی دونوں ٹانگوں کے

بالائی حصے پر کلنی نہیں لگ پاتی یا اسے کمزور نہیں کر سکتی ہے۔ استعمال کرنا زیادہ مناسب ہے بلکہ ''اس کے دونوں شانے پر'' ''ضاحیۃ المتنین'' کا مزید واضح تعبیر ہو سکتی ہے۔

(۲۱) حـرف أخـوهـا أبـوهـا من مهجنة
وعـمهـا خـالهـا قـوداء شـمـليـل

ترجمہ : ''پہاڑی پتھر کے کنارے کی طرح مضبوط ایک اصیل قوی اونٹنی سے اس کا وجود عمل میں آیا ہے، اس کا بھائی اس کا باپ ہے، اس کا چچا وہی ہے جو اس کا ماموں ہے، اس کی پیٹھ چوڑی لانبی ہے اور وہ خود تیز گام ہے۔''

تبصرہ : اس شعر میں اونٹنی کی اچھائی واصلیت کا راز بتایا گیا ہے اور اپنے قریبی خون و دودھ کے رشتے داروں سے ملکر وجود پانے والی اونٹنی کو اصیل نسل کی اونٹنی کہا گیا ہے۔ ''حرف من مہجنۃ'' کا ترجمہ ''پہاڑی پتھر کے کنارے کی طرح مضبوط ایک اصیل قوی اونٹنی ہے'' اس کا وجود عمل میں آیا ہے، کرنا اطناب سے خالی نہیں۔ اس کا سادہ اور سلیس ترجمہ یوں کیا جاسکتا ہے۔ ''پہاڑی پتھر کے کنارے کی طرح اس کا وجود سخت اور مضبوط ہے۔''

(۲۲) يـمشـي الـقـراد عليهـا ثـم يـزلـقـه
مـنهـا لبـان وأقـراب زهـا ليـل

ترجمہ : ''اس اونٹنی کے جسم پر کلنی (چھوکن) چلتی ہیں تو اس کا سینہ اور اس کے کولہے ان کو پھسلا کر گرا دیتے ہیں۔''

تبصرہ : "يمشى القراد عليها ثم يزلقه" کا ترجمہ کلی طور پر تعبیر کا ساتھ نہیں دے رہا ہے، اس کی درست تعبیر یوں ہوسکتی ہے کہ ''اس کے جسم پر کلنیاں چڑھتی تو ہیں پر اس کا سینہ......الخ''

(۲۳) عيـرانة قُـذِفـت بـالـنّحض عن عُـرُض
مـرفـقهـا عـن بـنـات الزور مفتـول

ترجمہ : ''وہ اونٹنی حمار وحشی یعنی جنگل میں آزاد، تیز رو گا وَخر کی طرح ہے، ہر طرف سے پر گوشت ہے، اس کی کہنی اس کے سینے کی ہڈیوں (پسلیوں) سے دور ہے۔''

تبصرہ : اس شعر میں اونٹنی کو نیل گائے سے تشبیہ دی ہے، جس کی رفتار بہت تیز ہوتی ہے۔ ''عیرانہ'' کا

ترجمہ (وہ اونٹنی حمار وحشی یعنی جنگل میں آزاد، تیز رو گاؤخر کی طرح ہے) میں اطناب ہے، اس کا سادہ سا ترجمہ یہ ہوسکتا تھا کہ ''وہ اونٹنی نیل گائے کی طرح ہے''۔

(۲۴) كأنما فات عَيْنَيْها ومَذْبَحها
من خطمها ومن اللحيين برطيل

ترجمہ : گویا اس کے چہرے کا وہ حصہ جو اس کے منھ اور ناک سے لے کر اس کی آنکھوں تک ہے اور اس کی نکیل کی جگہ سے لے کر اس کے جبڑوں تک ہے وہ ایک لوہے کے بنے ہوئے آرے کی مانند ہے۔''

تبصرہ : اس شعر میں ''فات'' کا لفظ آیا ہے، جبکہ ایک دیگر روایت میں ''قاب'' کا لفظ بھی وارد ہے۔ ''فات اور قاب'' دونوں کے اعتبار سے اس کے مفہوم میں قدرے فرق پایا جاتا ہے، چنانچہ ''فات'' کے مطابق اس کا ترجمہ ہوگا ''ان اجزائے جسم کا فاصلہ آہنی آلہ ہے'' اور ''قاب'' کی صورت میں اس کا ترجمہ یہ ہوگا کہ ''اس کی آنکھوں اور گردن تک فاصلہ اور اس کی ناک اور جبڑے تک کا حصہ فولادی ہے۔

(۲۵) تُمِرُّ مثل عسيب النخل ذا خصل
في غارز لم تُخوِّنه الأحاليل

ترجمہ : ''وہ اپنی دم کو جو شاخ نخل (کھجور کی ٹہنی) کی مانند لانبی ہے اور جس پر بالوں کے گچھے ہیں، اپنے ایسے تھن پر پھیرتی ہے جس نے دودھ دینے میں کمی نہیں کی۔''

تبصرہ : اس کی ترجمانی کے ساتھ ساتھ مترجم نے اس کی تفہیم بھی بیان کی ہے اور لکھتے ہیں ''مطلب یہ ہیکہ اس کی دم لانبی ہے اور دم کے بال گھنے ہیں اور اپنے تھن کو وہ دم سے جھاڑتی رہتی ہے تاکہ اس پر مکھی نہ بیٹھے(۱)

''ایسے تھن پر پھیرتی ہے جس نے دودھ دینے میں کمی نہیں کی ہے۔''

(۲۶) قنواء في حَرَّتيها للبصير بها
عِتْق مبين و في الخَدَّين تسهيل

ترجمہ : ''اس اونٹنی کی ناک گاؤدم ہے، اونٹوں کے معاملہ میں لوگ صاف نظر ہیں وہ جانتے ہیں کہ

---

بحوالہ ردائے رحمت: ص ۳۵

اس کے دونوں کان کھلے ہوئے اصیل اور خاندانی ہونے کی دلیل ہیں اور اس کے رخسار میں نرمی ہے۔"

**تبصرہ :** "عتق مبین" کا ترجمہ (اس کے دونوں کان کھلے ہوئے ہیں) لیکن "اصیل اور خاندانی ہونے کی دلیل ہیں" کو بین القوسین میں ہونا چاہیے کیونکہ یہ زائد ہے۔

(۲۷) تـخـدی عـلـی یسـرات وهـی لاحقة
ذوابیـل مَسُّهـنَّ الأرضَ تـحـلیـل

**ترجمہ :** "یہ اونٹنی اپنے ہلکے اور سبک پیروں سے دوڑتی ہے، وہ پاؤں جو خشک لکڑی کے بنے ہوئے نیزوں سے زیادہ سخت ہیں اور وہ ان اونٹوں سے جا ملتی ہے جو آگے جا چکے ہیں اور اپنی رفتاری سے اس طرح چلتی ہے کہ زمین پر اس کے پاؤں بس قسم کھانے کے لئے پڑتے ہیں۔"

**تبصرہ :** "وهی لاحقة" کے بجائے بعض روایت میں "وهی لاهیة" وارد ہے(۱) جس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ اونٹنی جب بے پروائی سے بھی چلتی ہے تو اس کی رفتار اتنی تیز ہوتی ہے کہ زمین پر اس کے پاؤں بس برائے نام ہی پڑتے ہیں۔

پہلے ترجمے میں "اس کے پاؤں پس قسم کھانے کے لئے پڑتے ہیں"، "تحلیل"، "قسم کھانے کو کہتے ہیں"، لیکن یہ تعبیر اردو میں مانوس نہیں، یہ تو عربی زبان کا اسلوب ہے، اسے اردو میں "برائے نام" کہہ سکتے ہیں۔ یہ تعبیر زیادہ مناسب ہے۔

(۲۸) سُـمرُ الـعُـجـایـات یتـرکـن الـحصیٰ زیماً
لـم یـقِهِـنَّ رُؤس الأکـم تـنـعـیـل

**ترجمہ :** "اس اونٹنی کے کھر سیاہی مائل ہیں (اور اس درجہ سخت ہیں کہ) پہاڑیوں کے بالائی حصہ پر جہاں پتھر ناہموار ہوتے ہیں اور جس پر چلنے کے لئے اونٹوں کے نعل کافی نہیں ہوتے وہاں کے پتھروں کو یہ اپنی چال سے بکھیر دیتی ہے۔"

یہاں مترجم نے بین القوسین کا بجا استعمال کیا ہے۔

(۲۹) کـأنَّ أوب ذراعیهـا إذا عَـرِقـتْ
وقـد تـلـفَّـع بـالـقـور الـعسـاقیـل

---

شیخ اسماعیل نبہانی کے مجموعہ میں "وهی لاهیة" مذکور ہے، بحوالہ ردائے رحمت: ص ۳۷

(۳۰)
یوما یطل به الحرباء مصطخداً
کأن ضاحیة بالشمس مملول

(۳۱)
وقال للقوم حادیهم وقد جعلت
وُرقُ الجنادب یرکُضن الحصیٰ قیلوا

(۳۲)
شدّا النهار ذراعا عیطل نصف
قامت فجاوبها نکد مثاکیل

جیسا کہ ہم دیکھ رہے کہ پہلے شعر میں کاَنَّ (گویا کہ) کا جواب آخری شعر میں ہے، اس لئے ایک ساتھ ترجمہ وتشریح ہونا چاہیے۔

مترجم نے مشکل الفاظ کی تشریح کے ساتھ ساتھ اس کی ترجمانی یوں کی ہے۔

ترجمہ: ''جب تیز گامی اور گرمی کی شدت کی وجہ سے یہ اونٹنی پسینہ سے بھیگ جاتی ہے اور گرمی کی شدت کا یہ عالم ہوتا ہے کہ چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں سراب سے ڈھک جاتی ہیں اور ایسی سخت گرمی جس میں گرگٹ جیسا جانور جو گرمی کا عادی ہے وہ بھی بھن جائے اور جس وقت گرمی کی شدت سے بیابانی خاکستری رنگ کی ہڈیاں جلتے ہوئے پتھروں پر پاؤں مارتی ہوں اس وقت وہ اونٹنی اتنی تیزی سے اپنے پیر پیٹ کی طرف پھرتی ہے جیسے ایک پختہ عمر کی عورت اپنی اولاد کے مرنے پر زورزور سے سینہ کوبی کرتی ہو اور اس کو دیکھ کر دوسری خواتین بھی جو اوروں کا غم اٹھا چکی ہیں اپنے سینے پر تھپڑ مارتی ہیں۔''

**تبصرہ** : مترجم نے ترجمے سے زیادہ تفہیم وتشریح پر زور دیا ہے، چنانچہ (جب تیز گامی اور گرمی کی شدت کی وجہ سے یہ) حصہ زائد ہے۔

یہ ترجمہ بھرپور تفہیم سے عبارت نہیں، بلکہ سیاق وسباق کو دیکھے بغیر ان اشعار کا سمجھ میں آنا مشکل ہے، ان چاروں اشعار کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے مترجم رقمطراز ہیں:

''سخت ترین گرمی لو کی شدت میں یہ اس طرح دوڑتی ہے جیسے کوئی مضبوط ہاتھ پاؤں کی عورت تابڑتوڑ اپنے سینے پر ہاتھ مار رہی ہو۔''

(۳۳)
نَوّاحة رخوة الضبعین لیس لها
لما نعی بکرها الناعون معقول

ترجمہ : ''(اس اونٹنی کے اگلے پاؤں کی حرکت ایسی تیز ہے جیسے) اس نوحہ خواں کے ہاتھوں کی حرکت جس کے دونوں بازو نرم ہوں اور اس وقت جب کہ اس کی پہلوٹی اولاد کے فوت ہونے کی خبر اس کو سنائی گئی ہو تو وہ بندش میں نہ ہو۔''

اس کا مفہوم یہ ہے کہ تیز رفتاری میں اس اونٹنی کے اگلے پاؤں یوں جلدی جلدی حرکت کر رہے ہیں جیسے وہ کسی ایسی نوحہ گر خاتون کے ہاتھ ہوں جسے ناعی نے اس کی پہلوٹی اولاد (کی موت کی خبر سنائی ہو اور جسے سن کر وہ سینہ کوبی پر اتر آئی ہو اور اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہوں کوئی ان ہاتھوں کو سینے پر مارنے (سینہ کوبی) سے روکنے اور منع کرنے والا نہ ہو۔

تبصرہ : ''لیس لہا معقول'' کا مطلب ہے جو بندش میں نہ ہو، یعنی اس کے ہاتھ آزاد ہوں، یہ مفہوم زیر بحث مترجم نے لیا ہے لیکن بعض اردو کے مترجمن نے یہ مطلب لیا ہے کہ جس کی عقل جاتی رہی ہو، لیس لہا معقول، یعنی مفعول بمعنی فعل، معقول بمعنی عقل لیا ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے۔(۱)

یہاں اس کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کہ نحوی حضرات نے نواحۃ کو مرفوع، منصوب اور مجرور تینوں طرح سے پڑھا ہے، مرفوع مبتدا کی وجہ سے اس سے پہلے ''ھی'' محذوف مانا جائے گا، منصوب اس سے پہلے ''اعنی'' فعل یا فاعل محذوف ماننے کی وجہ سے اور مجرور گزشتہ شعر کے لفظ ''عیطل'' کی صفت مان کر تاہم مبتدا زیادہ صحیح ہے۔

(۳۴) تفری اللَّبَانَ بِکَفَّیہا ومِدرَعُہا
مُشقَّق عن تَراقیہا رعابیل

ترجمہ : ''وہ غمزدہ عورت اپنی ہتھیلیوں سے اپنے سینے کو کوٹ رہی ہے اور اس کا گریبان پارہ پارہ ہو گیا، اس کے سینے کا بالائی حصہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہے۔''

تبصرہ : اس میں اونٹنی کی تیز گامی کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ مسلسل بے تکان اپنے سینے پر تابڑ توڑ تھپڑ مار رہی ہے جس طرح ہماری اونٹنی ہر حال میں تیز تیز قدم اٹھایا کرتی ہے۔

(۳۵) تسعی الوَشَلۃُ جنابیہا وقولُہُمُ
إنك یا ابن أبی سلمیٰ لمقتول

---

(۱) بحوالہ، ردائے رحمت: ص، ۳۹

قصیدے کا اصل گریز یہاں سے شروع ہو رہا ہے، محبوبہ کی تعریف اور اس کے فراق میں بروئے کار لائی جانے والی اونٹنی کے اوصاف اور خوبیوں کا ذکر کرنے کے بعد یہاں سے شاعر کا اصل مدعا شروع ہو رہا ہے، اس کے بعد والے اشعار میں شاعر نے اپنے بارے میں گرم افواہوں کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنے آپ کو معصوم ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عفو و درگزر کی آڑ لیتے ہوئے نہایت ہی خوش اوسلوبی کے ساتھ معذرت پیش کی ہے، پھر رحمت دو عالم کی مدحت سرائی کی ہے۔ مذکورہ شعر کا ترجمہ کچھ یوں ہے۔

ترجمہ : ''لگائی بجھائی کرنے والے اونٹنی کے دونوں جانب دائیں بائیں دوڑ رہے ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ اے ابوسلمیٰ کے فرزند! تم قتل کر دیئے جاؤ گے۔''

تبصرہ : یہاں ''جنابیہا'' (کنارے کنارے) ہے جب کہ بعض نسخوں میں ''جانبیہا'' بھی آیا ہے۔ مترجم نے جنابیہا اور جانبیہا دونوں کا ترجمہ کر دیا ہے۔ ''وشاۃ'' کا ترجمہ ''لگائی بجھائی کرنے والے'' کیا ہے۔ بعض دیگر مترجم نے ''چغلخور'' ترجمہ کیا ہے۔

(۳۶) وقال كل خليل كنتُ آمُلُه
لا أُلهِيَنَّك إنّي عنك مشغول

ترجمہ : ''اور ہر محبّ صادق جس سے میں توقع کر سکتا تھا کہ وقت مصیبت کام آئے گا وہ کہتا ہے کہ میں تم کو بہلاوا نہیں دیتا ہوں تم سے جو ہو سکتا ہے کر گزرو، مجھے تمہارے علاوہ اور کام ہیں جن میں میں مشغول ہوں۔''

تبصرہ : ''قال'' فعل ماضی ہے تاہم مترجم نے ''یقول'' (مضارع) کا ترجمہ کیا ہے، جو اردو زبان و بیان کی روح کے موافق بھی ہے۔ ''لا ألهينك إني عنك مشغول'' کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ ''وہ کہتا ہے کہ میں تم کو بہلاوا نہیں دیتا ہوں تم سے جو ہو سکتا ہے کر گزرو، مجھے تمہارے علاوہ اور کام ہیں جنہیں میں مشغول ہوں'' اس میں سلاست نہیں ہے نیز شعر کی بھرپور ترجمانی بھی نہیں ہوتی ہے، اس کی بہتر تعبیر یہ ہو سکتی ہے ''میں ٹال مٹول کر کے تمہیں پھنسا کر رکھنا نہیں چاہتا (تم اپنی گلوخلاصی کا راستہ خود ڈھونڈو) مجھے تمہارے بارے میں سوچنے کی فرصت نہیں ہے۔'' ''إني عنك مشغول'' کا یہ ترجمہ ''مجھے تمہارے علاوہ اور کام ہی جنمیں میں مشغول ہوں'' عربی زبان کی روح سے قریب تر بھی نہیں ہے۔ کہا جاتا ہے ''ھو شغل عنی'' وہ میرے بارے میں نہیں سوچتا، قرآن میں بھی ہے ''وھم فی شغل'' انہیں بے پرواہ سوچنے کی فرصت نہیں ہے۔ اس کا یہ ترجمہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ وہ کام میں

مصروف ہیں۔

(۳۷) فقلت خلوا سبیلی لا أبالکم
فکل ما قدر الرحمن مفعول

ترجمہ : ''میں ان لوگوں سے کہتا ہوں کہ میرا راستہ چھوڑ دو اے مجہول النسب لوگو! خدائے رحمان نے جو فیصلہ کر دیا ہے وہ ہو کر رہے گا۔''

تبصرہ : یہاں ''لا أبالکم'' کا ترجمہ ''اے مجہول النسب لوگو!'' کیا ہے۔ اس کا لفظی معنی 'اے وہ جس کا باپ نہیں' یا ''تیرا باپ مرے'' کیا ہے، یہ ایک گالی ہے۔ حالانکہ یہ شاعر کا مقصود گالی دینا نہیں ہے۔ عربی زبان میں اس قسم کی کئی تعبیریں استعمال ہوتی ہیں خود رسول پاکؐ ایک حدیث میں ''تربت یداک'' استعمال کیا ہے جس کا لفظی ترجمہ ہوتا ہے ''تیرے دونوں ہاتھ خاک آلود ہوں'' یہ بددعا ہے اور سرکار دو عالمؐ کے بارے میں یہ خیال کرنا کہ انہوں نے اپنے صحابی کو بددعا دی ہے، یہ آپ پر الزام اور بہتان کے سوا کچھ نہیں ہے۔ دراصل عربی زبان وادب کی نزاکتوں کو سمجھنے والے ان جملوں کا حقیقی مفہوم نہیں مراد لیتے ہیں بلکہ انہیں مہمل جملے سمجھتے ہیں، خود ہماری زبان اردو میں اس قسم کی تعبیریں رائج ہیں جیسے ''کمبخت'' کا لفظ ہے، جو زبان زد عام وخاص جملہ ہے، اسے لوگ اپنے بچوں اور عزیزوں کو بھی بول دیتے ہیں لیکن ان کے دل میں کمبخت کا مفہومی مقصد ہرگز نہیں کیونکہ اس کا لفظی ترجمہ ہوتا ہے ''اے وہ جس کی قسمت خراب ہو جائے'' کوئی شخص اپنے عزیز کو اس قسم کی بددعا نہیں دے سکتا۔

(۳۸) سئمتُ تکالیف الحیاۃ ومن یعیش
ثمانین حولاً لا أبالك یَسْئَم

ترجمہ : ''زندگی کی الجھنوں سے اکتا گیا ہوں اور جو بھی اسّی سال جیے گا (تیرا باپ نہ ہو) اکتا ہی جائے گا۔''

تبصرہ : یہاں بھی ''لا أبالک'' کا حقیقی مفہوم نہیں مراد ہے، تکالیف کا ترجمہ ''الجھنوں'' سے کیا ہے، جبکہ 'تکالیف' کا لفظی معنی ہوتا ہے ''اخراجات''، زندگی کے اخراجات سے مراد دوڑ بھاگ'' ہے، اس لئے ''دوڑ بھاگ'' یہاں زیادہ مناسب ہوگا۔

(۳۹) کل ابن أنثیٰ وإن طالت سلامَتُه
یوما علی آلۃِ الحَدْبَاء محمول

ترجمہ : ''ہر وہ شخص جس کو کسی نے جنم دیا ہے وہ خواہ جس قدر بھی عمر پائے ایک نہ ایک دن جنازہ کی پلنگ پر اٹھایا ہی جائے گا۔''

تبصرہ : یعنی میں زندگی کی گردشوں اور الجھنوں سے اس کی دوڑ بھاگ سے اکتا چکا ہوں، زندگی میں کوئی مزہ ہی نہیں رہا، اگر میں گردن زدنی بھی ٹھہرا تو بھی مجھے کچھ ڈر نہیں، کیونکہ ہر انسان کو موت کا مزہ چکھنا ہے وہ ضرور مرے گا گرچہ اسے لمبی زندگی ہی کیوں نہ نصیب ہو۔

(۴۰) أنبئتُ أن رسول الله أوعدني
والعفو عند رسول الله مامول

ترجمہ : ''مجھے بتایا گیا ہے کہ رسول اللہؐ نے مجھے دھمکی دی ہے، لیکن بخشش و درگزر کی رسول اللہ سے توقع قائم ہے۔''

تبصرہ : یہاں سے معذرت اور مدح کا اصل موضوع شروع ہو رہا ہے۔ ''والعفو'' میں 'واؤ' کو 'پر' کے معنی میں لینا زیادہ مناسب ہے۔ یعنی یہ ترجمہ ہوگا کہ ''میں نے سنا ہے کہ اللہ کے رسول نے مجھے دھمکی دی ہے پر مجھے رسول پاکؐ سے عفو و درگزر کی بھرپور امید ہے۔

(۴۱) فقد أتيت رسول الله معتذراً
العذر عند رسول الله مقبول

ترجمہ : ''یا رسول اللہ! میں آپ کی خدمت میں معذرت خواہ بن کر آیا ہوں اور عذر رسول اللہ کے نزدیک مقبول ہے۔''

تبصرہ : ''والعذر عند رسول اللہ مقبول'' میں ''مقبول'' کا ترجمہ مقبول کرنا بحث سے خالی نہیں، اردو میں ''مقبول'' اس معنی میں ہرگز نہیں استعمال ہوتا ہے جس میں عربی زبان میں مستعمل ہے، اس کا بہتر ترجمہ یہ ہوسکتا ہے ''اور عذر رسول اللہ کے ہاں قبول ہوتا ہے'' یا ''اللہ کے رسول عذر قبول فرماتے ہیں''۔

(۴۲) مهلا هداك الذى أعطاك نافلة ال
قرآنِ فيها مواعيظ وتفصيل

(۴۳) لا تأخذني بأقوال الوُشلة ولم
أُذنِبْ وإن كَثُرَتْ فِيَّ الأقاويل

دونوں اشعار کا باہم ارتباط اس لئے مترجم نے دونوں کا ترجمہ ایک ساتھ کر دیا ہے جو کچھ اس طرح ہے۔

ترجمہ : ذرا ٹھہریے آپ کو وہ (اللہ تعالیٰ) ہدایت دے جس نے آپ کو قرآن کا عطیہ دیا ہے اور وہ قرآن جس میں معاش و معاد کی تفصیل ہے، لگائی بجھائی کرنے والوں کی باتوں پر میری گرفت نہ فرمایئے، درحقیقت میں نے کسی جرم کا ارتکاب نہیں کیا ہے اگرچہ میرے سلسلے میں بہت چہ می گوئیاں ہو رہی ہیں۔

تبصرہ : مترجم نے ''ہداک الذی أعطاک'' کا گرچہ ترجمہ کیا ہے تاہم اسے تشریح کے دوران میں بے معنی قرار دیا ہے۔ چنانچہ رقمطراز ہیں ''رہا یہ کہ شاعر آنحضرت کو دعا دے رہے ہیں، ہداک الذی أعطاک یہ بھی ان استثنائی فقروں میں سے ہے جو کلام کا وزن پورا کرنے اور جملہ کو دلکش بنانے کے لئے کہا جاتا ہے، ورنہ ہادی بشریت کو ایک شخص ہدایت کی دعا دے جو خود معذرت نامہ لے کر توبہ کرنے آیا ہے کوئی معنی نہیں رکھتا۔

تاہم یہ تاویل بے جا، اسلام میں دعا دینا اور لینا مسنون عمل ہے، اس میں چھوٹے بڑے کی تفریق مناسب نہیں ہے، بلکہ رسول پاکؐ نے جو سلام کے آداب سکھائے ہیں اس میں ہر مسلمان دوسرے کو سلام کرتا ہے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا۔

(۴۴)
لقد أقوم مقاماً لو يقوم به
أرىٰ وأسمعُ ما لو يسمع الفيل

(۴۵)
لظَلَّ يَرْعَدُ إلّا أن يكون له
من الرسول بإذن الله تنويل

ترجمہ : ''میں ایسی جگہ پر کھڑا ہوں کہ اگر یہاں پر کوئی ہاتھی کھڑا ہوتا اور جو میں دیکھ سن رہا ہوں وہ آگر دیکھتا سنتا تو وہ ہاتھی بھی خوف سے کانپ رہا ہوتا، اِلّا یہ کہ اللہ کے حکم سے رسول اللہ نے اس کو بخشائش عطا کر دی ہوتی۔''

تبصرہ : اس شعر میں کعب نے اس تہدید کا ذکر کیا ہے جسے افواہ کاروں نے گرم کر رکھا ہے، اس میں ہاتھی کا نام آیا ہے جس کی وجہ سے اس شعر کے الحامی ہونے کی بھی بات کہی گئی ہے۔(۱) جس پر یہ استحالہ پیش کیا گیا ہے کہ چونکہ عرب میں ہاتھی نہیں پایا جاتا تھا۔ اس کے باوجود ہاتھی کا ذکر ہونا یہ شبہ ظاہر کرتا ہے کہ اس شعر کو بعد میں گڑھا گیا ہے۔ لیکن یہ بات عرب کے جغرافیائی حالات سے ناواقف ہونے کی دلیل ہے۔ عرب کے

(۱) بحوالہ، ردائے رحمت، ص: ۴۵، ۴۶

ریگستانوں اور صحراؤں میں نہ سہی لیکن یمن اور تہامہ کی پٹی میں ں موجود جنگلات میں ہاتھی کا وجود تھا، جسے حجاز ونجد کے علاقے کے لوگ دیکھا کرتے تھے، عراق عجم کے بعض معرکوں میں عرب عیسائیوں نے مسلمانوں کے ساتھ کئی جنگوں میں ہاتھیوں کا استعمال کیا تھا، ابرہہ کی فوج اس کی بہترین مثال ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ ہاتھی عربوں کے لئے غیر مانوس نہ تھے۔

(۴۶)
حتیٰ وضعتُ یمینی لا أُنازِعُه
فی کفِّ ذی نَقِمات قِیلُه القیلُ

مترجم نے اسے ''أقوم...'' سے مربوط قرار دیا ہے اور آپؐ کے روبرو حاضر ہونے کے بعد کعب نے اپنے اسلام کا اعلان کیا۔

ترجمہ : اور اپنا داہنا ہاتھ آپ کے کف دست میں رکھ دیا جو مجھ سے ناراض تھے اور انتقام لینے کی پوری قدرت رکھتے تھے اور جن کا فرمان نافذ العمل ہے۔

تبصرہ : اس میں ''لا أنازعہ'' کا ترجمہ نہیں کیا گیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ میں آپ کے آرڈیننس پر چوں چرا نہیں کرتا۔ اس طرح ''ذی نقمات'' کے ترجمے میں عام مترجمین کے روشنی سے ہٹ کر یہ ترجمہ کیا ہے ''جو مجھ سے ناراض تھے اور انتقام لینے کی پوری قدرت رکھتے تھے'' کیوں کہ ''نقم'' میں ناراضگی کے ساتھ انتقام کا جذبہ پیوست ہوتا ہے، عام مترجمین صرف ''جو انتقام لینے والے ہیں'' کہتے ہیں جو ناقص ہے۔

(۴۷)
لذاك أُهیب عندی إذ أکلِّمُه
وقیل إنك منسوب ومسئول

ترجمہ : ''لہٰذا وہ ذات گرامی جن سے میں مخاطب ہوں اور جب مجھ سے کہا جائے گا تم سے ایسی باتیں منسوب ہیں اور تم اس کے ذمہ دار ہو تو آپ میرے نزدیک زیادہ بارعب اور ہیبت وجلال رکھنے والے ہیں۔''

تبصرہ : یہ ترجمہ سلیس اور رواں نہیں ہے۔ لفظی ترجمہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے جب کہ یہ ادبی شہ پارہ ہے جس کا ترجمہ بہر حال ادبی ہونا چاہیے اور آزاد ترجمے کی تکنیک بروئے کار لانا چاہیے، اس کا سلیس ترجمہ یوں بھی ہوسکتا ہے ''لہٰذا جب میں ان سے گفتگو کرتا ہوں اور (میرے بارے میں) یہ کہی جاتی ہیں تمہارے بارے میں ایسی ایسی باتیں کہی جاتی ہیں اور تم (فلاں فلاں جرم کے) ذمہ دار ہو تو آپ زیادہ ہیبت ناک مجھے دکھائی دیتے ہیں۔

(۴۸)
مِـنْ خـــادِرٍ مِـن لُيُـوث الأسـدِ مسكَـنُـه
مـن بـطـن عثَّـرغِيُـل دونَــه الـغِيـل

ترجمہ : ''اس شیر سے جواپنے کچھار میں چھپا ہوا اور وہ ان شیروں میں ہو جو عثر (نامی مام) کے بھٹ میں ہو اور بھٹ درختوں کے جھنڈ کے پیچھے ہو اور اس کے پیچھے بھی ایک جھنڈ ہو۔''

تبصرہ : اس میں ''غیل دونہ الغیل'' کے ذریعہ جھاڑی کی کثافت کی طرف اشارہ کیا ہے جو شیر کی خوفناکی کی دلیل سمجھی جاتی ہے۔

(۴۹)
يـغـدو فيُـلْـحِـمُ ضِـرغـامَيـنِ عَيشَهـمـا
لَـحـم مـن الـقـوم مـعـفـور خـراديـل

ترجمہ : ''وہ شیر جو صبح سویرے نکلتا ہے تاکہ اپنے دو شیر بچوں کو گوشت کی خوراک دے (کیونکہ) ان کی خوراک لوگوں کا گوشت ہے جو زمین پر ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھا ہوا ہو۔''

تبصرہ : یہاں ''دو شیر بچوں'' میں ''شیر'' کہنے کی ضرورت نہ تھی بلکہ یہ ترجمے میں نقص بھی پیدا کرنا ہے۔ ''قوم'' کا ترجمہ ''لوگوں'' سے کرنا بھی اعتراض سے بالاتر نہیں کیونکہ اس سے مقصود انسانوں کا گوشت ہے۔ انسانوں یا آدمیوں یا آدم زادوں کا گوشت کہنا زیادہ مناسب ہے۔

(۵۰)
إذا يُســاوِرُ قِــرنــا لا يَـحِـلُّ لـــه
أن يتــرُك الــقِـرنَ إلَّا وهــو مـجـدول

ترجمہ : ''ایسا شیر جو اپنے مقابل سے برسرِ پیکار ہو، تو اس کو زیب نہیں دیتا کہ وہ اس کو بغیر پچھاڑے ہوئے چھوڑ دے۔''

تبصرہ : ''لا یحلہ لہ'' کا ترجمہ ''اس کے لئے حلال نہیں'' لیکن اس سے بہتر ترجمہ ''اس کے شایانِ شان نہیں ہوتا'' ہے۔ جس کی طرف خود مترجم نے تشریح میں اشارہ بھی کیا ہے۔(۱)

(۵۱)
مـنـه تَـظَـلُّ سِبـاعُ الـجَـوِّ ضـامـرةً
ولاتــمشــي بــواديـــه الأرجيــلُ

ترجمہ : ''اس شیر کی دہشت سے دوسرے وادی کے شیروں کے پیٹ پچکے ہوئے رہتے ہیں، یعنی

بحوالہ، ردائے رحمت: ص، ۴۷

بھو کے رہ جاتے ہیں اور اس کی وادی میں کسی کو چلنے کی ہمت نہیں ہوتی۔"

**تبصرہ :** اس میں رسول پاک کو ہیبت ناک شیر سے تشبیہ دینے کے بعد اس شعر کی خصوصیات اور ہیبتنا کی کا بیان ہے۔ جس کی دہشت سے نہ صرف وادی کے دیگر شیر اپنے کچھاروں سے نہیں نکلتے اور بھوکوں سو رہتے ہیں بلکہ کسی آدم زاد شکاری کے پاؤں کی آہٹ بھی سنائی نہیں دیتی۔

(۵۲) ولا يــزال بــواديـــه أخــوثِــقَةً
مُــطــرَّحِ البَــزِّ والــدّراســانِ مــاكــول

**ترجمہ :** "اور اس شیر کی وادی میں ہمیشہ بڑے بہادروں کے ہتھیار اور مستعمل لباس چبائے ہوئے پڑے رہتے ہیں۔"

یعنی اگر غلطی سے کوئی شکاری ادھر بھٹک بھی جاتا ہے یہ شیر اسے چیر پھاڑ کر برابر کر دیتا ہے۔

(۵۳) إن الــرســول لیسف یستــضــاء بـــه
مهــنــد مــن سیــوف الــلـــه مســلــول

**ترجمہ :** "بلاشبہ رسول اللہ صلعم ایک شمشیر ہیں جن سے روشنی حاصل کی جاتی ہے، وہ شمشیر جو ہندی لوہے کی بنی ہوئی ہے۔ اللہ کی تلوار جو نیام سے نکلی ہوئی ہے۔"

**تبصرہ :** "اس میں "مہند" یعنی Made in India یا ہندوستانی لوہے سے تیار کی گئی ہے۔ "من سیوف اللہ مسلول" کا ترجمہ اللہ کی شمشیر بے نیام مزید حسن پیدا کر سکتا تھا۔ اور اس سے ترجمے میں جان پیدا ہو سکتی تھی۔

(۵۴) فــی فتیة مــن قــریـــش قــال قــائــلــم
ببــطــن مــكة، لــمـــا أســلــموا زُولــوا

**ترجمہ :** "وہ قریش کے جوانہیں میں سے ہیں یا قریش کی جماعت میں ہیں کہ جب وہ مسلمان ہوئے تو ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ یہاں سے کوچ کرو۔"

**تبصرہ :** "فی فتیۃ" کا متعلق کون ہے؟ مترجم کے ترجمے کے مطابق قائل ہے، 'بطن مکہ' کا ترجمہ ندارد ہے۔ اس ترجمے میں قدرے غموض پایا جاتا ہے، اس کا واضح ترجمہ یوں کیا جا سکتا ہے کہ قریش مکہ کے نوجوانوں کی ٹولی میں ایک شخصیت ایسی ہے کہ جب وہ (اہل مکہ) ایمان لائے تو انہوں نے کہا ہجرت کر جاؤ۔ اس شخص سے

حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مراد ہیں، کیونکہ آپؓ ہی نے ہجرت کا مشورہ دیا تھا، بعض لوگوں نے عمر رضی اللہ عنہ کا نام پیش کیا ہے۔

(۵۵) زالــوا فــمـــا زال انــكـــاس ولاكُشُف
عـــنـــد الـــلـــقـــاء ولاميـل مـعـــازيـل

ترجمہ : ''یہ لوگ ہجرت کے لئے کوچ کر گئے، لیکن ان لوگوں نے ہجرت نہیں کی جو کمزور تھے، دشمن سے مقابلہ کے وقت جن کے پاس ڈھال نہ تھی اور جن کے پاس تلواریں نہ تھیں، نہتے بے ہتھیار کے تھے۔''

یعنی اکثر لوگوں نے ہجرت کرلی جو کمزور لوگ تھے نہتے اور نادار تھے، وہی بچ گئے تھے تاہم اگر رزم حق وباطل کی بات آئی تو یہ بچے کھچے لوگ تیر وتفنگ کے سامنے بھی خائف نہیں ہوتے تھے۔ ان اشعار میں صحابہ کرام کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

(۵۶) شُــمُّ الــعـــرانيـــن أبــطـــال لَبُــؤسُـهُــمُ
مــن نَسـجِ داوُدَ فــى الهَيْــجــا ســرابيـل

ترجمہ : ''بڑی ناک والے، جنگ کے مرد میدان، معرکہ میں ان کا لباس حضرت داؤد کا ''خود'' اور ''زرہ'' ہے۔''

تبصرہ : بڑی ناک سے مراد صحابہ کرام کی پروقار شخصیت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ''خود'' کا ترجمہ زائد ہے، ''سرابیل'' ''زرہ'' کو کہا جاتا ہے۔

(۵۷) بِيــض ســوابــغ شُــكَّــت لهــا حَــلَــقٌ
كـــأنهـــا حـــلَـــقُ الـــقـــفـــعـــاءِ مَـجـدول

ترجمہ : ''(ان صحابہ کرام کے جسم پر جو زرہیں ہیں) وہ صاف اور چمکدار ہیں، پورے جسم کو ڈھانپنے والی ہیں، ان کے حلقے ایک دوسرے سے پیوست ہیں گویا کہ ''قفعاء'' نامی پودے کے حلقوں کی طرح گتھے ہوئے ہیں۔''

تبصرہ : گویا کہ' کے بجائے ''مانو'' سے ترجمے میں زیادہ حسن پیدا ہوسکتا تھا۔

(۵۸) لا يــفــرحــون إذا نـــالــت رِمـــاحُـهــم
قــومـــاً وليســوا مجـــازيعـــاً إذا نيـلـوا

ترجمہ : ''(صحابہ کرامؓ) کے نیزے اگر نشانے پر لگ جاتے ہیں یعنی دشمن پر وار کرنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں تو گھمنڈ نہیں کرتے اور اگر ان پر دشمن کا وار چل جاتا ہے تو جزع فزع نہیں کرتے۔''

تبصرہ : ''یعنی دشمن پر وار کرنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں تو قوسین میں ہونا چاہیے، اسی طرح ''وار چلنا'' بھی حملہ کی کامیاب ہونے کے لئے درست تعبیر نہیں ہے۔ ''وار چلنا'' عام طور سے ''چال کے کارگر'' ہونے کے لئے بولا جاتا ہے۔

(۵۹) يمشون مشيَ الزُهرِ يعصِمُهم
ضربٌ إذا عَرَّدَ السُّودُ التنابيل

ترجمہ : ''وہ جب میدان جنگ میں چلتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ سفید قسم کے اونٹ کی چال سے چل رہے ہیں اور ان کو بچانے والی شئے ان کے حملے ہوتے ہیں، ایسے گھمسان معرکہ کے موقع پر جب کہ کوتاہ قامت کالی رنگت والے لوگ بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔''

تبصرہ : ''وہ جب میدان جنگ میں'' کو قوسین میں ہونا چاہیے، قوسین کا عدم استعمال تشریح و تفہیم میں تو روا ہوسکتا ہے پر ترجمہ میں ایسا جائز نہیں کیونکہ ترجمہ میں عبارت کے الفاظ سے قریب تر رہنا ضروری ہوتا ہے ضروری تشریحات کے لئے قوسین کا استعمال ہوتا ہے۔ ''ضرب'' دراصل تلوار کی کاٹ کو کہا جاتا ہے لیکن یہاں مراد صحابہ کا مجموعی طور پر اپنے ہتھیاروں سے حملہ ہے۔ خواہ وہ تلوار کا حملہ ہو یا تیغ و تفنگ اور نیزے کا۔

یہاں پر قصیدے کے کل ۵۹ اشعار کا منثور ترجمہ پورا ہوجاتا ہے، گزشتہ صفحات میں ان کے تراجم کا باریک بینی سے جائزہ لیا گیا ہے، نحوی، صرفی، بلاغی و عروضی زاویوں سے بھی ان پر نظر ڈالی گئی ہے۔

اب اس کے بعد قصیدے کے منثور ترجمے کی خصوصیات پیش کی جارہی ہیں۔

# نثری تراجم کی خصوصیات

گو کہ اردو زبان میں مولانا عبداللہ عباس ندوی کے ترجمہ وتشریح کے سوا کسی دیگر اردو ترجمے تک تلاش بسیار کے باوجود محقق کی رسائی نہ ہو سکی، تاہم اردو داں مترجمین کے عربی تراجم میں موجود بین السطور اور حواشی میں جو تشریح اور ترجمانی کی گئی ہے نیز ردائے رحمت میں جس اسلوب کو اپناتے ہوئے ترجمہ کیا گیا ہے، اس سے قصیدہ کے نثری اردو تراجم کا خاکہ ضروری طے کیا جا سکتا ہے، نیز تحقیق اور مطالعہ کے دوران ان نثری تراجم کی خصوصیات کا بھی تعین کیا جا سکتا ہے۔ زیر بحث تحقیقی کاز میں قصیدہ کے نثری اردو تراجم کے بارے میں جن خصوصیات تک ہماری رسائی ہوئی ان کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

قصیدہ کے اردو نثری تراجم میں الفاظ کی رعایت کافی حد تک کی گئی ہے۔ ان مترجمین کی کوشش یہی رہی ہے کہ الفاظ کا سایہ ترجمہ کے ساتھ ساتھ قائم رہے۔

الفاظ کی رعایت کی وجہ سے کہیں کہیں ترجمہ کی سلاست پر ضربیں بھی پڑتی دکھائی دیتی ہیں، تاہم اتنا ضرور ہے کہ ایسا کر کے مترجم نقل معانی کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو جاتا ہے پر بلاغت اور ادبیت مجروح ہو جاتی ہے۔

منثور تراجم میں کہیں کہیں بعض ابیات کا ترجمہ تو کر دیا گیا ہے پر اس کا مفہوم بھرپور انداز میں منتقل نہیں ہو پایا ہے، اس لئے ترجمہ کے ساتھ تشریح کی ضرورت بھی محسوس ہوتی ہے، چنانچہ ان مترجمین نے صرف ترجمے پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ تفہیم اور تشریح بھی پیش کیا ہے۔ اسے ہم مترجمین کی کمزوری بھی کہہ سکتے ہیں، مثال کے طور پر قصیدہ کے اکیاونویں شعر کو لے سکتے ہیں، جو کچھ یوں ہے۔

إن الرسول لیسف یستضاء به

وصارم من سیوف الله مسلول

اس شعر کا ترجمہ عام طور سے اس طرح کیا جاتا ہے:

''رسول پاکؐ بلاشبہ ایک نور ہیں، جن سے اجالا اس طرح آنکھوں کے سامنے پھیل جاتا ہے جس طرح نیام سے جب تلوار نکلتی ہے تو ایک چمک سی آنکھوں کے سامنے پیدا ہو جاتی ہے۔'' (۱)

بحوالہ، ردائے رحمت، ص:۱۶

اس ترجمہ سے شاعر کا اصل مدعا ظاہر نہیں ہو پاتا ہے جس کی وجہ سے اس کا مفہوم یوں بیان کیا جاتا ہے:

''رسول اللہؐ ایک نور ہیں جن سے اجالا حاصل کیا جاتا ہے اور وہ نور ایک مضبوط فولاد کی بے نیام تلوار کے مانند ہے۔''(۱)

جیسا کہ ردائے رحمت کے مؤلف مذکورہ شعر پیش کرنے کے بعد رقمطراز ہیں:

''اس شعر کا مفہوم یہ ہے کہ رسول پاکؐ بلاشبہ ایک نور ہیں جن سے اجالا اس طرح آنکھوں کے سامنے پھیل جاتا ہے جس طرح نیام سے جب تلوار نکلتی ہے تو ایک چمک سی آنکھوں کے سامنے پیدا ہو جاتی ہے۔''(۲)

اس شعر کا ترجمہ عام طور سے انہی الفاظ میں کیا جاتا ہے، لیکن شعر کا حقیقی مفہوم اس سے ظاہر نہیں ہوتا، یہ کہنا کہ آپؐ ہندی بے نیام تلوار ہیں، یا ایک تیز تلوار ہیں، کوئی معنی نہیں رکھتا اور نہ اس میں مدح کا پہلو واضح ہوتا ہے، شاعر حضور انور کے چہرۂ مبارک کی نورانیت اور تابناکی کو بیان کرنا چاہتا ہے....تلوار جب میان سے کھینچی جاتی ہے تو اس کی چمک آنکھوں کو ایسی لگتی ہے جیسے تاریکی میں بجلی کی چمک ہو۔

جاہلی عصر کے شعراء روشنی کی تشبیہ آفتاب یا بجلی کی چمک ہی سے دے سکتے تھے۔ یہاں تلوار کی چمک سے چہرۂ انور کو تشبیہ دی گئی ہے۔ جس میں چاندی کی جیسی ایک روشنی ہوتی ہے، اس تشریح کے بعد شعر کا مفہوم یہ ہوا کہ

''رسول اللہؐ ایک نور ہیں جن سے اجالا حاصل کیا جاتا ہے اور وہ نور ایک مضبوط فولاد کی بے نیام کی مانند رہے۔

اس طرح اردو مترجمین کے یہاں ترجمہ کے ساتھ ساتھ تفہیم وتشریح کی روایت بھی چلی ہے، ایک کامیاب مترجم مفہوم کو واضح کرنے کے لئے بین القوسین کا سہارا تو لے سکتا ہے لیکن مفہوم واضح کرنے کے لئے الگ پیرا یہ کا استعمال مترجم کی ترجمہ میں ناپختگی کی دلیل ہے۔

---

۱۔ بحوالہ، ردائے رحمت، ص:۱۶

۲۔ بحوالہ، ردائے رحمت، ص:۱۶

# قصیدہ بانت سعاد کے منظوم تراجم کا جائزہ

قصیدہ بانت سعاد کے دو منظوم تراجم دستیاب ہیں۔ پہلا ترجمہ رئیس نعمانی کا ہے جس کا عنوان ''نیل المراد منظوم اردو ترجمہ قصیدہ بانت سعاد'' ہے یہ منظوم ترجمہ ان کے مشہور شعری مجموعہ ''چراغ نوا'' میں شامل یہ مجموعہ پہلی بار ۲۰۰۰ء میں علی گڑھ، یوپی سے شائع ہوا۔ مترجم نے کتاب کے آخر میں ''حواشی اور حوالے'' کے عنوان سے مشکل الفاظ کا حل پیش کیا ہے۔ یہ قصیدہ رباعی کی ہیئت میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ ہر رباعی کا قافیہ اور وزن دوسری رباعیوں سے جدا ہے۔

دوسرا منظوم ترجمہ الٰہی بخش اکاندھلویؒ کا ہے، جس کا عنوان 'شرح بانت سعاد' ہے۔ اس کتاب میں پورے قصیدے کی عربی میں تشریح کی گئی ہے، زبان سلیس ہے، اس میں ترجمے کے ساتھ تشریح بھی پائی جاتی ہے۔ ترجمہ تین زبانوں میں کیا ہے۔ عربی، فارسی اور اردو تاہم اردو نہ لکھ کر ''ہندی'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔

''ومن شعرہ بالہندی'' یعنی ''ہندوستانی'' زبان میں انہوں نے اشعار کہے ہیں ان میں سے مثال کے طور پر یہ اشعار ہیں۔

کب کہہ سکے گا اس سے میرا درد اشتیاق
لکھ دو پیامبر کو کوئی فرد اشتیاق

چشم و ابرو کا اگر کچھ بھی اشارہ ہو جائے
نام ہو آپ کا اور کام ہمارا ہو جائے

یہ اشعار زبان حال سے اقرار کرتے ہیں کہ ہندی سے مراد اردو ہے۔ اس ترجمے کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ پورا منظوم ترجمہ ایک ہی ردیف اور قافیے پر ختم ہوتا ہے گویا پورا ترجمہ ایک نظم ہے جو پوری پابندی کے ساتھ اپنے ردیف اور قافیے کے اصولوں پر کاربند ہے۔

بہر حال یہاں ہم ان دونوں کتابوں کے حوالے سے قصیدۂ بانت سعاد کے اردو منظوم تراجم کا جائزہ پیش کر رہے ہیں۔

# قصیدۂ بانت سعاد کے منظوم تراجم کا جائزہ

## ''نیل المراد'' اور ''شرح قصیدہ بانت سعاد'' کے حوالے سے

یہاں ہم ''نیل المراد'' اور شرح قصیدہ بانت سعاد'' کے حوالے سے زیر بحث قصیدے منظوم تراجم کا تجزیہ پیش کر رہے ہیں، ایک ایک شعر پر علاحدہ طور پر بحث کی جائے گی۔ عربی کا ایک شعر پیش کر کے پہلے نیل المراد کا رباعی ترجمہ پھر ''شرح قصیدۂ بانت سعاد'' کا دوبیتی ترجمہ پیش کیا جائے گا، پہلے ترجمے کے لئے (ترجمہ:۱) دوسرے کے لئے (ترجمہ:۲) کی علامت کا استعمال کیا گیا ہے۔

**(۱) بانت سعادفقلبی الیوم متبول.....الخ**

ترجمہ:۱

کہاں سعاد ہیں بس راہ میں نقوشِ قدم ہے قلب غمزدہ کس درجہ بیقرار نہ پوچھ
نہ پوچھ آج اسیر طلب کا حالِ زبوں ہے کس بلا کی مصیبت فراق یار نہ پوچھ

ترجمہ:۲

فراق یار سے ہے آج دل مرا بیمار
نہیں امید خلاص اس کی قید سے زنہار

تبصرہ : پہلے ترجمے میں صرف مفہوم کو پیش کیا گیا ہے، صرف ''متیم'' کا ترجمہ ''اسیر قلب'' کسی حد تک لفظ کا ساتھ دے رہا ہے، جبکہ دوسرے ترجمے میں الفاظ کی رعایت کافی حد تک ملتی ہے، محمد احتشام الحسن نے ترجمہ :۲، کے دوسرے مصرعہ کی بین القوسین میں یوں ترجمانی کی ہے۔

خراب اس کی محبت میں قید سے ناچار

اس میں ''متیم اثرھا لم یفد مکبول'' کی بھرپور ترجمانی ہے۔

**(۲) وماسعاد غداۃ البین اذ رحلوا.....الخ**

ترجمہ:۱

دم وداع وہ اس کا کلام جاں پرور متاعِ گوش ہے وہ لحنِ نغمہ زا، ابتک

نظر ہیں ، باہمہ انداز دل رُبایانہ ہے اس کی نرگسِ بیمار سرمہ سا ابتک

ترجمہ۲:

نہیں سعاد بوقت وداع و روز سفر
مگر کہ نرم سخن نیم خواب نرگس زار

**تبصرہ** : ترجمہ۱ کے پہلے دو مصرعوں میں ''وما سعاد غداۃ البین اذ رحلوا.....الّا اغنُّ تک کی ترجمانی کی گئی ہے جبکہ آخر کے دونوں مصرعوں میں صرف ''غضیض الطرف مکحول'' کا ترجمہ ہے، جبکہ ترجمہ۲، میں عربی کے ہر مصرعے کی ترجمانی مصرعہ بہ مصرعہ کی گی ہے جو بہت حد تک رعایت لفظی سے مالا مال ہے۔

## (۳) هيفاء مقبلة.......................الخ

ترجمہ۱:

کرشمہ سازی ذہن صنم تراش نہ پوچھ نظر کے سامنے ہے جیسے وہ سراپا ناز
وہ عضو، عضو، تناسب کی آئینہ داری وہ اس کا قد کہ نہ کوتاہ اور نہ حد سے دراز

ترجمہ۲:

وہ موکمر ہے جو آوے جو جاتو کوہ سریں
نہ طویل کوتہی قد میں حرف شکوہ کو بار

**تبصرہ** : ترجمہ۱ میں پہلا مصرعہ تمہید ہے الفاظ سے کوئی علاقہ نہیں دوسرے مصرعے میں صرف ''مقبلۃ'' کا ترجمہ ہے ''ھیفاء'' اور ''عجزاء مدبرۃ'' کا ترجمہ ندارد ہے، ہاں تیسرے اور چوتھے مصرعے میں ''لایشتکی قصر منھا ولاطول'' کی بھرپور ترجمانی موجود ہے۔

جہاں تک ترجمہ۲ کا تعلق ہے تو اس میں گرچہ غنائیت اور نغمگی اس قدر نمایاں نہیں، جتنا ترجمہ۱ میں ہے، تاہم اس میں الفاظ وتعبیر کی پوری پوری رعایت موجود ہے۔

## (۴) تجلوا عوارض........................الخ

ترجمہ۱:

وہ جاں نواز تبسم وہ دل ربا دنداں کرے بوقت تبسم جب آشکار انہیں

چمک ہو موتی سے بڑھ کر، ابھی ابھی جیسے　　شراب ناب سے دھویا ہے بار بار انہیں

ترجمہ:۲

ہنسے تو یہ در دنداں میں لطف ہے گویا
شراب دروںکرر ہے یا وہ می کہ دوبار

تبصرہ : پہلے ترجمہ میں پہلے مصرعہ کا ترجمہ تفہیم وتشریح کی شکل لئے ہوئے ہے جب کہ دوسرے مصرعہ کی بھرپور ترجمانی کی گئی ہے، ''چمک ہو موتی سے بڑھ کر'' میں چمک کے علاوہ ساری چیزیں زائد ہیں، قصیدے میں موتی کا کوئی بیان نہیں ہے۔

ترجمہ۲ میں ترجمانی اور نقل مفہوم کے سارے گر پائے جاتے ہیں پر سلاست اور شعری روانی ندارد ہے۔

**(۵)　شجت بذی شبم.....الخ**

ترجمہ:۱

شراب جس میں ہو آمیزش آب صافی کی　　وہ آج جو کہ تہہ جو پیار سے نکلے
ہوں سنگریزے تہہ آب اور چاشت کے وقت　　خنک کریں اسے بادِ شمال کے جھونکے

ترجمہ:۲

ملا ہو چشمۂ شیریں سے جس میں پانی سرد
بوقت چاشت کے گذری ہو جس پہ باد بہار

تبصرہ : ترجمہ۱ میں ''خنک کریں'' تفہیم پر مبنی اسلوب کی عکاسی کرتا ہے جبکہ دوبیتی ترجمے میں ''صاف'' کا ترجمہ نایاب ہے، حالانکہ ''چشمۂ شیریں'' کہنے سے اس کی ترجمانی ہو جاتی ہے اس لئے کہ چشمۂ شریں کا پانی صاف ہوتا ہے۔

**(۶)　تنقی الریاح.....الخ**

ترجمہ:۱

ہوائیں دور کریں اس کے سب خس وخاشاک　　سحر کے ابر کی بارش سے جو پیار بھرے
پھر اس کے آب میں مخلوط ہو وہ بادۂ ناب　　جو اس کے دانتوں کو مانند برق چمکادے

ترجمہ:۲

صبا نے دور کیا ہووے اس کی یکسر خس
صباح برسا ہوا بر سفید زار ونزار

تبصرہ : اول الذکر ترجمے کا آخری مصرعہ زائد ہے، کیونکہ اس شعر کا مفہوم یہ ہے کہ ہوائیں اس چشمۂ شیریں سے گندگی اور دیگر مکدرات کو ہٹا دیتی ہیں، ان ہواؤں کے دوش پر سفید ابر بھی آتے ہیں جو صبح سویرے ہی برس پڑتے ہیں، اسی طرح آخری مصرع بالکل زائد ہے، چونکہ شعر ۴ میں دنداں کا تذکرہ آیا ہے اسی لئے مترجم نے یہاں یہ مصرعہ جڑ دیا ہے، ویسے یہ چیز اس بیت میں مذکور نہیں، دوسرے ترجمہ میں ''ہووے'' استعمال ہوا جو زبان کی قدامت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

(۷) **أكرم بها خلة.....الخ**

ترجمہ:۱

بہت ہی صاحبِ لطف وکرم ہو وہ دلبر — گر اپنے وعدۂ دیرینہ کا کرے کچھ پاس
اور اپنے سر نہ لے الزام بے وفائی کا — ہو کاش میری نصیحت کا بھی اسے احساس

ترجمہ:۲

عجب حبیب تھا ہوتا جو راست وعدہ وہ
نصیحتوں کو مری مانتا اگر وہ نگار

تبصرہ : ترجمہ ۱ میں ''اور اپنے سر نہ لے الزام بے وفائی کا'' زائد ترجمہ ہے، از راہ مفہوم اس کا اضافہ کیا گیا ہے۔ ترجمہ ۲ الفاظ سے قریب تر ہونے کے ساتھ بہتر تعبیر کا رمز سناش بھی ہے۔

(۸) **لكنها خلة.....الخ**

ترجمہ:۱

مگر سرشت میں اس کی نہیں ہے یہ شامل — کہ اس کے دم سے وفا کا چراغ ہو روشن
ستانا اہل محبت کو اس کا شیوۂ خاص — فریب و وعدہ خلافی ہے اس کا جوہر فن

ترجمہ:۲

بنا گیا ہے ازل سے پر اس کا جامہ جم

بدر دور بخش عشاق وخلف عہد وقرار

تبصرہ : شاعر نے اول الذکر ترجمے میں بہت خوب ترجمانی کی ہے گر چہ الفاظ کا ہو بہو ترجمہ نہیں کیا گیا ہے، تاہم شاعر کے مدعا تک پہنچنے کی نہایت کامیاب کوشش کی گئی ہے۔ اس طرح ترجمہ ۲ میں بھی بہت خوب ترجمہ کیا گیا ہے، الفاظ اور معانی کا خوب صورت رشتہ بھی قائم کیا گیا ہے۔

**(۹) فما تدوم.....الخ**

ترجمہ:۱

نہیں ہے اس کی طبیعت میں کچھ قرار وثبات — کہ ایک حال پہ قائم وہ رہ سکے دم بھر
مزاج غول بیاباں کی مثل ہے اس کا — بدلتا رہتا ہے جو لحہ لحہ شکلِ دگر

ترجمہ:۲

نہیں مدام بیک حال وہ ستم ایجاد
پری کی طرز بدلتا ہے وہ لباس ہزار

تبصرہ : پہلے ترجمے کی بھرپور ترجمانی کی گئی ہے پر ترجمہ ۲ کا ترجمہ الفاظ سے ہم آہنگ نہ ہونے کے ساتھ ساتھ معانی ومطالب پیش کرنے سے قاصر ہے۔

**(۱۰) ولاتمسک.....الخ**

ترجمہ:۱

نہیں ہے وعدہ وپیماں کا اعتبار اس کے — کہ اہل حسن کا شیوہ نہیں وفاداری
مثال عہدِ وفا کی جو اس کے سچ پوچھو — تو اس طرح سے ہے چھلنی میں جس طرح پانی

ترجمہ:۲

نہیں ثبات اسے اپنے عہد پر ہرگز
مگر کہ پانی کو غربال میں ہو جیسے قرار

تبصرہ : ترجمہ ۱ میں بھرپور ترجمانی کی گئی ہے، اس میں دوسرا مصرعہ (کہ اہل حسن کا شیوہ نہیں وفاداری) زائد ہے، ترجمہ ۲ میں الفاظ کی ترجمانی کے ساتھ ترکیب کی بھی پوری رعایت موجود ہے۔

(۱۱) **فلایغرّنک.....الخ**

ترجمہ:۱

نہ کھا فریبِ تمنا، نہ دیکھ وصل کے خواب — کہ خواب وآرزو کرتے ہیں نفس کو گمراہ
ہے اہل حسن کا وعدہ تمام مکروفریب — بھرے ہے ان کا گرفتار ، زندگی بھرآہ

ترجمہ:۲

فریب تجھکو نہ دے اس کا منت اور وعدہ
خیال وصل ہے خواب تباہ سے دشوار

تبصرہ : پہلے دومصرعوں ہی میں مفہوم واضح کردیا گیا ہے، آخر کے دومصرعوں میں اس کے مفہوم کی تفصیل بیان کی گئی ہے یہ شعر کے الفاظ کا ترجمہ نہیں ہے، جہاں تک ترجمہ۲ کا تعلق ہے تو اس میں ترجمانی تو کی گئی ہے پر غنائیت مفقود ہے۔

(۱۲) **کانت مواعید.....الخ**

ترجمہ:۱

مثالِ وعدۂ عرقوب ان کے وعدے ہیں — جو مکرو وعدہ خلافی میں تھا بہت ماہر
ہمیشہ ہوتی ہے دل میں تو بات انکے کچھ اور — مگر اداؤں سے کرتے ہیں اور کچھ ظاہر

ترجمہ:۲

بجا ہے اس سے جو عرقوب کو میں دوں تشبیہ
بجز دروغ نہیں کرتا وعدہ وہ مکار

تبصرہ : اول الذکر ترجمہ کا دوسرا مصرعہ زائد ہے، جبکہ دوسرے ترجمہ میں مفہوم بیان کیا گیا ہے، دور کی کوڑی لاکر ترجمانی کی کوشش کی گئی ہے۔

(۱۳) **أرجو وآملُ.....الخ**

ترجمہ:۱

یہ آرزو تھی کہ ہوجائے مجھ پہ وہ شیدا — ہوں ایک عرصے سے جس طرح میں فدا اس پر

مگر یہ وہم تھا، اور صرف وہم تھا میرا　　کہ التفات ونوازش کس کی ہوگی اِدھر

ترجمہ۲:

امید مہر کو رکھتا ہوں اس پری وش سے
نہیں گمان کہ میسر ہو مجھکو بوس وکنار

تبصرہ : ترجمہ۱ کا ہر مصرع الفاظ سے قریب تر ہونے کے ساتھ ساتھ ترجمے کی خوبیوں سے بھی آراستہ ہے، ترجمہ۲ میں ''ارض'' کا ترجمہ ''ملک'' سے کیا گیا ہے جو صحیح نہیں ہے، اس وقت عرب کا جو جغرافیائی خطہ تھا اس میں کسی دوسرے دور دراز ملک کا تصور نہیں ملتا، علاقے اور خطے تھے جو ریاستوں کی حیثیت رکھتے تھے۔

(۱۴) **امست سعاد.....الخ**

ترجمہ۱:

سعاد پہنچی ہے ایسی جگہ پہ شام کے وقت　　جہاں کوئی بھی نہ پہنچا سکے بہ آسانی
سوا، ان اونٹوں کے، بے عیب جنکی ہوں نسلیں　　جمال وتیز روی میں نہ جن کے ہوں ثانی

ترجمہ۲:

سعاد پہنچی ہے اس ملک میں کہ جا نہ وہاں
مگر شتر کہ اصیل اور نجیب ہو رہوار

تبصرہ : ترجمہ۱ کا ترجمہ بہت خوب ہے، ترجمہ۲ میں بھی ارض کے مرجع ''یبلغہا'' کا ترجمہ ملک سے کیا گیا ہے، ترجمہ غیر واضح ہے۔

(۱۵) **ولن یبلغہا.....الخ**

ترجمہ۱:

وہ سرزمین، جہاں پہنچا نہیں سکے گا کوئی　　سوا، ان اونٹوں کے جو ہوں قوی وسخت اقدام
وہ ناقہ جو کہ سفر خستگی کے حال میں بھی　　رہے بہ جانبِ منزل ہمیشہ تیز خرام

ترجمہ۲:

نہ پہنچے ملک میں اسکے مگر کہ ناقہ چست
کہ ماندگی میں بھی پو یہ چلے وہ یا یلغار

**تبصرہ :** ترجمہ۱میں ترجمے کے چاروں اقطاب روشن کردئے گئے ہیں، تاہم ارقال اور تبغیل دونوں کا ایک ہی ترجمہ (تیز خرام) کردیا گیا ہے۔ اسی طرح ترجمہ۲میں بھی دونوں لفظوں کا ایک ہی ترجمہ کیا گیا ہے۔ تھکنے کے باوجود تیز گام ہونا ارقال اور اونچے نیچے پر پیچ راستوں پر تیز دوڑنے کو تبغیل کہتے ہیں۔

**(۱۶) من کل نضاخة..........................الخ**

ترجمہ:۱

وہ ناقہ قوم میں اپنی جو سب سے ہو ممتاز　　چلے جو تیز قدم بے نشان راہوں میں

عرق فشاں دمِ رفتار اس کے گوش وجبیں　　ہو اس کے حوصلے کا امتحاں راہوں میں

ترجمہ:۲

عرق چکاں ہو پس گوش سے زگرمی سیر

وہ راہ طے کرے جسکے نہیں نمود آثار

**تبصرہ :** ترجمہ۱کا پہلا اور آخری مصرعہ دونوں زائد ہے جبکہ تیسرا مصرعہ پہلے بیت اور دوسرا مصرعہ دوسرے بیت کا ترجمہ ہے۔ دوبیتی ترجمہ میں ہر ایک لفظ کی تقریباً ترجمانی ہے تاہم موسیقیت ندارد ہے۔

**(۱۷) ترمی الغیوب..........................الخ**

ترجمہ:۱

نگاہیں اس کی ہوں یوں جستجوئے منزل میں　　تپے ہوں دھوپ سے جب کوہ ودشت وریگستاں

کہ جس طرح کوئی جنگلی سفید رنگ کا بیل　　بچھڑ کے گلے سے اس کے لئے ہو سرگرداں

ترجمہ:۲

نظر رکھے ہے جو چشم غزالہ دور و دراز

تپاں ہو گرمی سے جب ریگ ودشت آتش وار

**تبصرہ :** ترجمہ۱میں ''مفرد لہق'' کا ترجمہ جنگلی سفید بیل کیا گیا ہے جبکہ ترجمہ۲میں غزالہ کا ترجمہ دیا گیا ہے۔ رباعی ترجمہ کا آخری مصرعہ ''بچھڑ کے گلے سے اس کے لئے ہو سرگرداں'' زائد ہے۔

**(۱۸) ضخم مقلدها..........................الخ**

ترجمہ:۱

وہ ناقہ، حسن ہے گردن کا فربہی جس کی　　اوراس کے پاؤں بھی ہیں فربہی سے حسن پذیر
جواپنی ساخت میں بہتر ہے سارے اونٹوں سے　　شرف میں جس کے نہیں ہے کس طرح تقصیر

ترجمہ:۲

عظیم گردن و بھاری ہیں اسکے دست اور پا
رکھے ہے اپنے نبی نوع پر وہ فضیل ہزار

تبصرہ : ترجمہ میں ''بنات الفحل'' کا ترجمہ ''اونٹ'' کیا گیا ہے، دوسرے منظوم ترجمے میں ''بنی نوع'' سے تعبیر کیا گیا ہے، جب کہ ردائے رحمت میں ''بنات الفحل'' سانڈنیوں'' کو کہا گیا ہے۔

**(۱۹)　غلباء وجناء علكوم.....الخ**

ترجمہ:۱

بلند اس کی ہے گردن، کلاں ہیں رخسارے　　ہے مثل نر کے توانا، اگرچہ مادہ ہے
وہ تیز بیں ہے، حضر ہو کہ ہو سفر، اس کی　　حدِ نگاہ میں ہر اک نشانِ جادہ ہے

ترجمہ:۲

دراز گردن ورخسار ہے قوی جوں نر
فراخ پہلو وگردن کلاں منارہ دار

تبصرہ : پہلے ترجمے میں ''فی دفہاسعۃ قدامہا میل'' کا ترجمہ دونوں تراجم میں مختلف ہے۔ ''دف'' گردن کے نچلے حصے کو ''اقدام'' ''ٹانگوں کو'' ''غلباء'' موٹی گردن اور وجناء ''تھوتھنی'' کو کہتے ہیں، ان مفردات کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ دونوں ترجمے الفاظ کی بھرپور رعایت سے خالی ہے۔

**(۲۰)　وجلدها من أطوم.....الخ**

ترجمہ:۱

ہے سنگ پشت کی مانند اس کی پشت کی جلد　　بہت ہی سخت، چمکدار اور بہت ہموار
کہ جس پر چیڑی چمٹنے میں کامیاب نہ ہو　　اگرچہ بھوک سے چیڑی کو ہو نہ صبر وقرار

ترجمہ:۲

مگر کہ جلد نے سختی یہ سنگ پشت سے لی
کہ کنہ اسمیں نہ بیٹھے اگر ہو لاغر و زار

تبصرہ : دونوں ترجمے لفظی رعایت کے پابند ہیں تاہم پہلے ترجمے میں ''طلع'' کا ترجمہ ''چڑی'' اور دوسرے میں ''کنہ'' کیا گیا ہے، نیز ''مہز ول'' کا تعلق دونوں ترجموں میں ''طلع'' (چڑی یا کنہ) سے ہے، جب کہ منثور ترجمہ (ردائے رحمت) میں اس کا تعلق خود اس اونٹنی سے ہے۔

**(۲۱) حرف ابوھا.....الخ**

ترجمہ:۱

مثالِ کوہ بلند اور سخت اس کا بدن — دراز گردن وپشت اور تیز ہے رفتار
کہ اس کا باپ ہے بھائی، تو ہے چچا ماموں — ہے جن سے اس کو بہائم میں اعتبار و وقار

ترجمہ:۲

وہ موکمر کہ ہے باپ کا بھائی اور عم خال
اصیل ذات میں گردن دراز اور رہوار

تبصرہ : رباعی ترجمے کے پہلے دو مصرعے گرچہ ''حرف'' کی ترجمانی وتفہیم کرتے ہیں تاہم عربی شعر کی دوسری سطر کے ''قوداء شملیل'' کا بیان بھی اس میں آ گیا ہے۔

**(۲۲) یمشی المراد.....الخ**

ترجمہ:۱

بدن پر اس کے اگر چڑھتی ہے کبھی چڑی — پھسل کے گرتی ہے فوراً زمین کے اوپر
کہ اس کے سینہ و پہلو ہیں اس قدر چکنے — جو ٹک سکے نہ کوئی شے بھی ان پر سرتاسر

ترجمہ:۲

مگس جو بیٹھے بدن پر وہیں پھسل جاوے
زبس کہ نرم ہے سینہ کفل نپٹ ہموار

تبصرہ : پہلے ترجمہ میں ''اُقراب'' کا ترجمہ ''پہلو'' کیا گیا ہے، جب کہ بعض دیگر مترجمین نے اس کا

ترجمہ ''کمر'' کیا ہے۔ دوسرے ترجمے میں ''طلع'' کا ترجمہ ''مگس'' کیا گیا ہے، حالانکہ ''مگس'' شہد کی مکھی کو کہتے ہیں۔ اسی طرح ''ثم یزلقہ'' میں باب افعال کا لحاظ نہیں کیا ہے۔

**(۲۳) عیرانة قذفت.....الخ**

ترجمہ:۱

ہے چال اس کی کسی جنگلی گورخر کی طرح — پھر اس پہ فربہی کا عجیب عالم ہے
ہے ہر طرف سے وہ پر گوشت اس طرح کہ جدا — ہمیشہ کہنیاں رہتی ہیں اس کی پہلو سے

ترجمہ:۲

وہ نیل گاؤ ہے پُر گوشت دونوں جانب سے
کہ جسکے بازو کو پہلو سے فرق ہے بسیار

تبصرہ : پہلے ترجمے میں ''ہے چال اس کی کسی'' زائد ہے بقیہ اشعار مثالی ترجمے کی علامت بن سکتے ہیں جبکہ ترجمہ۲ میں ''وہ نیل گاؤ ہے پُر گوشت دونوں جانب سے موصوف صفت کی ترکیب کے معکوس ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ایسا ضرورت شعری کی بنا پر کیا گیا ہے۔ زبان کی قدامت کی طرف اشارہ کرتا ہے، آج کل نیل گائے رائج ہے۔

**(۲۴) کأنما فات.....الخ**

ترجمہ:۱

منھ اس کا ناک کے نتھنوں سے دونوں کانوں تک — کہ جیسے سانچے میں ڈھالا گیا ہو سنگ دراز
اسی صفت سے ہے موصوف اس کی گردن بھی — مقام حلق سے کلوں تک ایک ہے انداز

ترجمہ:۲

مگر کہ اس کی دونوں آنکھوں سے لیکے تا بینی
گلے سے منھ تئیں تختہ ہو سنگ کا پرکار

تبصرہ : ترجمہ۱ میں ''فات'' اور ترجمہ۲ ''قاب'' کا ترجمہ گیا ہے جب کہ دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے۔ رباعی ترجمہ کا آخری مصرعہ زائد ہے توضیح کے لئے ہے۔

(۲۵) **تمر مثل عسیب.....................الخ**

**ترجمہ۱:**

دُم اس کی ہلتی ہے اس طرح سے بوقتِ خرام — کہ شاخ خرمے کی جیسے ہوا کے جھونکوں سے
تھنوں کے حسن سے کھلواڑ کر رہی ہے وہ — سجی ہوئی ہے جو خود دل فریب بالوں سے

**ترجمہ۲:**

تھنوں پہ پھرتی ہے جوں شاخ نخل پر چم دم
خیانت اس سے کسی نر نے کی ہو کیا تکرار

**تبصرہ :** ترجمہ۱ تمام تر تفہیم پر مبنی ہے، جبکہ ''فی غار زلم تخونہ الأ حالیل'' کا صحیح ترجمہ بھی نہیں کیا گیا ہے۔ ترجمہ۲ میں مفہوم غیر واضح ہونے کے ساتھ ترجمانی بھی غلط کی گئی ہے، چنانچہ اس کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے۔

''خیانت اس سے کسی نر نے کی ہو کیا تکرار''

یہاں ''نر'' کی خیانت مقصود نہیں ہے جبکہ تھن نے دودھ دینے میں خیانت نہیں کی ہے۔اس پر قدرے تفصیل کے ساتھ گفتگو منثور و منظوم تراجم میں تقابل کے دوران کی جائے گی۔

(۲۶) **فتنواء حرتیها.....................الخ**

**ترجمہ۱:**

ہے ناک اس کی محدب تو نرم ہیں رخسار — کشش ہے آنکھوں میں بھی چشم دیدہ ور کے لئے
اوراس کے کانوں کے مابین ایک تابش خاص — دلیل اصل ہے ہر صاحبِ بصر کے لئے

**ترجمہ۲:**

نجابت اس کی عیاں ہے دو گوش سے تس پر
بلند بینی وہموار اس کے ہیں رخسار

**تبصرہ :** ''عتق مبین'' کا ترجمہ ترجمہ۱ میں ''تابش'' (چمک) کیا گیا ہے جب کہ دوسرے ترجمے میں ''عیاں'' اور واضح ہونے سے اس کی تعبیر کی گئی ہے۔

(۲۷) **تخدی علی یسرات.....................الخ**

ترجمہ:۱

ہیں ٹانگیں اس کی بہت نازک اور بہت ہی سبک　　زمین پر جنہیں رکھتی ہے کم دمِ رفتار
مگر وہ ساری نزاکت کے باوجود اپنی　　پہنچ ہی جاتی ہے منزل پہ مثل بادِ بہار

ترجمہ:۲

چلے ہے پاؤں پہ دہلی وہ خوشخرام ایسی
کہ لگنا ان کا زمیں کو ہے ٹک قسم کا اتار

تبصرہ : ترجمہ۱ میں الفاظ کی رعایت بہت کم کی گئی ہے۔اس میں ''لاحقۃ'' کی روایت پر اعتماد کرتے ہوئے برق رفتاری سے پہنچنے سے اس کی تعبیر کی گئی ہے، جب کہ دوسرے ترجمہ میں ''لاھیۃ'' لکھا ہوا ہے جس کی تعبیر مترجم نے خوش خرامی سے کی ہے۔

**(۲۸) سمر المجايات.....الخ**

ترجمہ:۱

وہ پاؤں، پنڈلیاں جن کی ہیں سرخ گندم گوں　　وہ جب چٹانوں پہ ہوتے ہیں گرم تیز روی
ہٹاتے جاتے ہیں قدموں سے سنگریزوں کو　　کہ احتیاج نہیں ان کو نعل کوبی کی

ترجمہ:۲

وہ سرخ پا کہ پریشاں کرے ہے رستہ کے سنگ
نہیں ہے حاجت فعل اسکو کوہ پر زنہار

پہلے ترجمے میں ''سمر'' کا ترجمہ ''سرخ گندم گوں'' کیا گیا ہے جبکہ دوسرے میں صرف ''سرخ'' سے اس کی ترجمانی کی گئی ہے۔

**(۲۹) كان أوب ذراعيها.....الخ**

ترجمہ:۱

کمال پاؤں کی گردش کا اس کے ہو ظاہر　　تپش سے مہر کی جس دم پسینہ آتا ہو
پہاڑیاں نظر آئیں سراب کی مانند　　پیاسا آدمی گرمی سے بوکھلاتا ہو

ترجمہ:۲

جو کوئی چلنے میں دیکھے ہے اس کی گردش دست
دے کے بیچ میں ہوئے سراب ریگ چومار

تبصرہ : ترجمہ۱ میں ''اوب'' ہے اور ترجمہ۲ میں ادب ہے جس کا ترجمہ گردش سے کیا گیا ہے، پہلا ترجمہ بالکل واضح ہے جب کہ دوسرے ترجمے پر ابہام کا غلبہ ہے۔

**(۳۰) یوما یظل به.....الخ**

ترجمہ:۱

زمین دھوپ سے جس روز خوب تپتی ہے — مثالِ آتش سوزاں ہو ریت کی حالت
چلے گر اس پہ، جھلس جائے آفتاب پرست — مجال کیا کسی انسان کو ملے راحت

ترجمہ:۲

وہ روز گرم کہ جلتا ہو جسمیں بوقلموں
بھنا ہو ظاہر تن اس کا دھوپ سے بسیار

تبصرہ : ترجمہ۱ میں ''الحرباء'' کا ترجمہ ''آفتاب پرست'' کیا گیا ہے جسے گرگٹ کہتے ہیں، ترجمہ۲ میں اس پر ''بوقلموں'' کا اطلاق کیا گیا ہے۔ رباعی ترجمہ کا آخری مصرعہ زائد ہے۔

**(۳۱) وقال للقوم.....الخ**

ترجمہ:۱

کہے یہ قوم سے ایسے میں ساربان ان کا — ہے دھوپ تیز، بھری دوپہر ہے، کچھ سولو
کہ ٹڈیاں بھی تمازت میں اڑنہیں پاتیں — تو سنگریزوں سے ٹکرا رہی ہیں پنجوں کو

ترجمہ:۲

دوپہرے ٹھیک میں کہتا ہے ساربان سولو
ملخ بھی اب تو زمیں پر تپے ہے بسمل وار

تبصرہ : پہلا ترجمہ بہت خوب ہے، الفاظ کی بھرپور ترجمانی کے ساتھ موسیقیت اور غنائیت بھی اس میں پائی جاتی ہے، دوسرے ترجمہ میں ضرورتِ شعری نے جہاں الفاظ کا گلا گھونٹا ہے وہیں موسیقیت اور غنائیت کو بھی

رخصت کردیا ہے۔

**(۳۲) شد النهار ذراعا.....الخ**

ترجمہ۱:

اسی فضا میں ہیں پاؤں اس کے اسطرح جیسے　　کسی ادھیڑ سی عورت کے لمبے لمبے ہاتھ
کہ جس کے بچے کئی مر چکے ہیں، اس غم میں　　وہ مل کے روتی ہے ایسی ہی عورتوں کے ساتھ

ترجمہ۲:

تو سمجھے یہ کہ ہیں دست زن دراز جواں
شریک نوحہ پھر اسکے ہے اور ماتم دار

تبصرہ : ترجمہ۱ کے آخری مصرعہ ''وہ مل کے روتی ہے ایسی ہی عورتوں کے ساتھ'' ان عورتوں سے مراد وہ عورتیں ہیں جن کے کئی پہلوٹی کے بچے مر چکے ہوں، اس میں موسیقیت زیادہ نہیں پائی جاتی، دوسرے ترجمہ کا پہلا مصرعہ گو کہ سماعت پر بھاری ہے پر دوسرا مصرعہ بہت خوب ہے۔

**(۳۳) نواحة رخوة.....الخ**

ترجمہ۱:

کسی نے جب سے سنائی ہے آ کے اس کو خبر　　کہ تیرا لخت جگر چل بسا ہے دنیا سے
نہیں ہے اس کو کسی حال میں بھی صبر و قرار　　سراپا نوحہ و فریاد و آہ و زاری ہے

ترجمہ۲:

وہ نوحہ گر ہے سبکدست جس کو ہوش نہیں
خبر سے مرگ پسر کے ہوئے زار و نزار

تبصرہ : ترجمہ میں تفہیم و تشریح کا زیادہ غلبہ ہے، جبکہ ترجمہ۲ میں ''ناعون'' کا ترجمہ ندارد ہے۔

**(۳۴) تفری اللبیان.....الخ**

ترجمہ۱:

وہ دونوں ہاتھوں سے مصروف سینہ کوبی ہے　　ہوا ہے جس سے گریباں بھی تار تار اس کا

سکون کس طرح ہوسکتا ہے اسے حاصل　　کہ لٹ چکا سبھی سرمایۂ قرار اس کا

ترجمہ:۲

خراش سینہ کو کرتی ہے دونوں ہاتھوں سے
گلے کا پیرہن اس نے کیا ہے تار پہ تار

تبصرہ : پہلے ترجمہ کے پہلے دو مصرعے الفاظ کی بھرپور رعایت کرتے ہیں، جبکہ آخر کے دو مصرعے ''رعابیل'' کے لفظی ترجمے ہیں۔

**(۳۵) تسعی الوشاة.....الخ**

ترجمہ:۱

اس اونٹنی کے دو جانب تھے دشمنوں کے گروہ　　جو تیز دوڑتے جاتے تھے اور کہتے تھے
کہ تیرے قتل کا یثرب میں ہو چکا اعلان　　خبر ہے کچھ؟ ابوسلمیٰ کے خوش نوا پوتے!

ترجمہ:۲

پھریں ہیں کہتے ہوئے گرد اس کے یوں دشمن
کہ کشتگاں ہیں تو کر کعب اپنی جان شمار

تبصرہ : ترجمہ۱ بہت خوب ہے، مترجم نے ترجمہ۲ کے پہلے مصرعے کا ترجمہ یوں کیا ہے ''پھریں ہیں کہتے ہوئے گرد اس کے یوں دشمن'' یہاں پھریں'' کے بجائے ''پھرے'' ہونا چاہیے، ضرورت شعری کا استحالہ بھی اس تحریف کی اجازت نہیں دے سکتا۔

**(۳۶) وقال کل خلیل.....الخ**

ترجمہ:۱

کلام سرورِ عالمؐ کی کیا کہوں تاثیر　　کہ دشمنوں کو بھی جس پر یقین کامل تھا
ہر ایک دوست، تھی جسے مجھے امیدِ وفا　　وہ میرے سایے سے بھی دور یوں پہ مائل تھا

ترجمہ:۲

جو یار اپنے مددگار تھے سو سب نے کہا
کہ ہم سے دور ہو تو ہم ہیں اب کیسے بیزار

تبصرہ : ترجمہ ۱ کے پہلے دو مصرعوں کا قصیدے کے اشعار سے لفظاً کوئی رشتہ نہیں ہے لیکن اس سے ایک اہم نکتے کی دریافت ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ شاعر نے گویا ان دونوں مصرعوں میں یہ کہنے کی کوشش کی ہے کہ اس کا ہر دوست اس سے جو بیگانگی ظاہر کر رہا ہے وہ اس لئے کہ رسول پاکؐ اس سے ناراض ہیں جب کہ دوسرے مترجمین اور شارحین نے اس اہم نکتے کی طرف اشارہ نہیں کیا ہے۔ دوسرا ترجمہ الفاظ سے بھرپور رشتہ قائم کئے ہوئے ہے۔

**(۳۷) فقلت خلوا سبیلی.....الخ**

ترجمہ:۱

یہ حال دیکھ کے میں نے کہا یہ لوگوں سے — کہ تم سبھی مرے رستے سے آج ہٹ جاؤ
میں جارہا ہوں بہ سوئے مدینہ بے پروا — جو کچھ خدا نے مقدر کیا ہے ہونے دو

ترجمہ:۲

کہا میں چھوڑ دو اے بیوفا مرا راستہ
کیا ہے حق نے مقدر سو ہوگا آخر کار

تبصرہ : ترجمہ ۱ کا تیسرا مصرعہ زائد ہے، اس زیادتی کا مطلب یہ ہے کہ لفظاً یہ شعر میں وارد نہیں ہیں بلکہ تفہیم کی غرض سے نیز ردیف وقافیہ کی بھرپائی کے لئے اسے بروئے کار لایا گیا ہے۔ ترجمہ ۲ میں ''لا أبالکم'' کی تعبیر ''اے بے وفا'' سے کیا گیا ہے جبکہ پہلے ترجمہ میں اس سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا ہے۔

**(۳۸) کل ابن انثیٰ.....الخ**

ترجمہ:۱

کہ اس جہاں میں پیدا ہوا ہے جو بھی کوئی — ہو اس کی زندگی کچھ روز، یا کہ سالہا سال
ہر اک کا جانا ہے اک دن جنازہ گورستان — یہ ہے سب کا مقدر، یہ ہے سب کا مآل

ترجمہ:۲

ہر ایک شخص اگرچہ ہو عمر اس کی دراز
بوقت مرگ جنارہ پہ لیک ہوگا سوار

تبصرہ : پہلے ترجمے میں گرچہ تفہیم وتشریح کا پہلو غالب ہے تاہم ترجمانی اچھی کی گئی ہے، جہاں تک

دوسرے ترجمے کا تعلق ہے، یہ بھی واضح ہے، اس شعر میں ایک لفظ ''آلہ حدباء'' وارد ہوا ہے جس کے معنی ''تابوت'' یا وہ چار پائی ہوتا ہے جس پر میت کو تدفین کے لئے لے جایا جاتا ہے۔

**(۳۹) انبئت ان رسول الله اوعدنی.....الخ**

ترجمہ:۱

خبر ملی ہے کہ مجھ کو ہلاک کرنے کی ہوئی ہے عام اجازت، لبِ رسالؐ سے
مگر ، مرا دل امیدوار رکھتا ہے امیدِ عفو و کرم، درگہہِ نبوتؐ سے

ترجمہ:۲

سنا ہے میں کہ پیمبر نے حکم قتل کیا
ولیک عفو و کرم اس رسول کا ہے شعار

تبصرہ : ترجمہ میں ۱ ''انبئت'' اور ترجمہ۲ میں ''نبئت'' کا لفظ وارد ہوا ہے، پہلے ترجمے کا تیسرا مصرعہ تنقید سے خالی نہیں، جو کچھ یوں ہے (مگر، میرا دل امیدوار رکھتا ہے) ''امیدوار رکھتا ہے'' تعبیر کے اعتبار سے واضح غلطی ہے جس پر ضرورت شعری کا استحالہ بھی کوئی جواز نہیں پیش کرسکتا، دوسرے ترجمہ میں ''ولیک'' کا لفظ آیا ہے جسے ضرورت شعری ہی کا گرفتار مصیبت کہہ سکتے ہیں، ویسے مجموعی طور پر دونوں ترجمے اچھے ہیں۔

اسی شعر سے قصیدے کا گریز شروع ہوتا ہے اور یہیں سے شاعر مدحتِ رسول میں رطب اللسان ہوتا ہے گریز کی ابتدا معذرت سے ہوتی ہے۔

**(۴۰) لقد آتیت رسول الله معتذراً.....الخ**

ترجمہ:۱

بلا شک آج رسولؐ خدا کی خدمت میں میں لے کے آیا ہوں عذر خطا کا عزم صمیم
مجھے یقین ہے مری معذرت بھی ہوگی قبول خدا گواہ کہ سرکارؐ ہیں رؤف و رحیم

ترجمہ:۲

رسول پاس میں آیا ہوں کرنے عذر خطا
کہ اس کے حکم کے آگے قبول ہیں اعذار

تبصرہ : ترجمہ۱ کا آخری مصرعہ زائد ہے، تشریح و تفہیم نیز ردیف اور قافیہ کی بھرپائی کے لئے بروئے کار لایا

گیا ہے، دوسرے ترجمے میں گرچہ ترجمانی کامیاب حد تک کی گئی ہے، تاہم ''رسول پاس میں آیا ہوں کرنے عذر خطا'' میں ''رسول پاس'' کی ترکیب نہایت ہی بھونڈی ہے۔ دراصل یہ تعقید کا عیب ہے۔

**(۴۱) مهلا هداک الله الذی.....الخ**

ترجمہ:۱

رسولِ پاکؐ ، عطا کیجئے مجھے مہلت — خدا کی خاص ہدایت ہے آپ کو حاصل
کہ جس سے آپ کو قرآن سی کتاب ملی — نصیحت اور بیانات جس کے ہیں کامل

ترجمہ:۲

نہ جلدی کر کہ ہدایت کرے تجھے وہ خدا
کتاب جس نے تجھے دی بوعظ و پند ہزار

تبصرہ : اس شعر کی ترجمانی میں دونوں ترجمے ''ھداک اللہ الذی'' ایک دوسرے سے مختلف ہیں، چنانچہ ترجمہ۱ میں ھداک الذی....کو بطور خبر اور ترجمہ۲ بطور انشاء (دعا) استعمال کیا گیا ہے۔

**(۴۲) لاتأخذنی باقوال.....الخ**

ترجمہ:۱

نہ باز پرس کریں مجھ سے آپ شاہِ رُسلؐ — کسی بھی طرح مرے دشمنوں کے کہنے سے
ہوئی نہ مجھ سے خطا ایسی شانِ اقدس میں — گھڑے گئے ہیں یہ جس کے بہت سے افسانے

ترجمہ:۲

نہ کہ مواخذہ مجھکو بقول بدگویاں
نہیں گناہ مرا کچھ کہیں ہیں گو بسیار

تبصرہ : پہلا ترجمہ بہت خوب ہے، موسیقیت اور غنائیت سے بھی بھرپور ہے، جب کہ ترجمہ۲ کا مفہوم بھی اتنا واضح نہیں ہے نیز شیریں بھی نہیں ہے۔

**(۴۳) لقد اقوم مقاماً.....الخ**

ترجمہ:۱

کھڑا ہوں آج میں ایسے مقام پر کہ جہاں　　کھڑا ہو میری جگہ پر اگر کوئی ہاتھی
میں دیکھتا ہوں جو کچھ اور جو میں سنتا ہوں　　وہی اسے بھی نظر آئے اور سنے وہ بھی

ترجمہ:۲

میں اس جگہ میں کھڑا ہوں کہ گر کھڑا ہو فیل
سنے وہ یا کہ جو دیکھوں ہوں میں بحال نزار

**تبصرہ** : قصیدے کے شعر میں ''اُری واسمع'' مکرر ہے تاہم ''یسمع'' مکرر نہیں ہے، اس لئے چونکہ الٰہی بخش کاندھلویؒ نے لفظی رعایت میں ممتاز ہونے کی وجہ سے ''یری'' کا بھی ترجمہ نہیں کیا ہے جبکہ رئیس نعمانی نے ''اری واسمع'' کو وزن یسمع ویری کا بھی ترجمہ کیا ہے جب کہ یہاں ''یری'' کا وجود نہیں ہے، لیکن رئیس نعمانی کا ترجمہ زیادہ صحیح ہے، کیونکہ ''اری واسمع'' دونوں کا ہونا اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ ''یری'' بھی آنا چاہیے اور محقق کی رائے میں معاملہ ایسا ہی تھا صرف ضرورتِ شعری کی بنیاد پر شاعر نے غالباً ''یری'' کو ترک کر دیا ہے۔

**(۴۴)　لظل یرعد إلاأن یکون له.....الخ**

ترجمہ:۱

مجھے یقین ہے کہ وہ بھی لرز لرز جائے　　رسولِ پاکؐ کے پاکیزہ رعب وہیبت سے
مگر کہ حکمِ خدا سے ملے اماں اس کو　　رسولِ اکرم واعظمؐ کے لطف ورحمت سے

ترجمہ:۲

لگے وہ کانپنے بیشک مگر کہ ہوجاوے
نبیؐ کے لطف وکرم سے چہار طرف حصار

**تبصرہ** : پہلا ترجمہ بہت خوب ہونے کے ساتھ الفاظ سے قریب بھی ہے، تاہم دوسرا مصرع زائد ہے، جبکہ ترجمہ۲ غنائیت سے عاری ہے۔

**(۴۵)　حتی وضعت یمینی.....الخ**

ترجمہ:۱

یہ انتہا ہے کہ ادنیٰ منازعت کے بغیر　　میں اپنے ہاتھ کو دیتا ہوں، ہاتھ میں ان کے

وہ جن کی شان ہے دنیا میں آج سب سے بلند ہے قول ''قول'' جو نکلے لبِ مبارک سے

ترجمہ:۲

رکھا میں منتقم دیں کے ہاتھ میں اب ہاتھ
کشیدگی نہ کروں گا کہ ہے وہ صدق شعار

تبصرہ : ترجمہ۱ کا تیسرا شعر تفہیم وتشیح کا شاخسانہ ہے تاہم ترجمانی بہتر ہے۔اسی طرح ترجمہ۲ بھی واضح ہے۔پر ''ذی قحات'' کا ترجمہ ''منتقم دیں'' کیا جو ناقص ہے۔یہ انتقام ایسا ہے جس میں ناراضگی بھی پائی جاتی ہے۔اس سے بھی تعجب خیز بات یہ ہے کہ ترجمہ۱ میں ''ذی قحات'' کو تو چھوڑ ہی دیا گیا ہے۔اسی طرح ترجمہ۱ میں ''قیل القیل'' کی ترجمانی ''صدق شعار'' سے کیا گیا ہے۔

(۴۶) **لذاک اھیب عندی.....الخ**

ترجمہ:۱

یہ اس لئے کہ ہوئی گفتگو جب آقاؐ سے تو تھا بہت ہی میں ہیبت سے ان کی خوف زدہ
کہا گیا تھا کہ ہے کعب، تجھ پہ، وہ الزام بجا ہے حال پہ تیرے اگر کریں گریہ

ترجمہ:۲

مہیب تر ہے وہ مجھ پاس وقت گفت وشنود
کیا ہوں خلق نے میں متہم بجرم کبار

تبصرہ : پہلا ترجمہ گو بہت خوب ہے،اس میں منسوب ومسئول کی ترجمانی نہیں ہوئی ہے۔دوسرے ترجمے کا دوسرا مصرعہ پیچیدگی سے خالی نہیں،چنانچہ ''وقیل إنک منسوب ومسئول'' کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے،''کیا ہوں خلق نے میں متہم بجرم کبار'' جس کا مفہوم ومطلب غیر واضح ہے۔تاہم ''مہیب تر'' کی ترکیب الٰہی بخش کاندھلویؒ نے بہت اچھی استعمال کی ہے۔

(۴۷) **من خادر من لیوث.....الخ**

ترجمہ:۱

مری نگاہ میں ہیبت تھی آپ کی بڑھ کر اک ایسے شیر سے، شیروں کا شیر جس کو کہوں

وہ جس کی جائے سکونت ہو ایسے جنگل میں　　گھنیرے پن میں جو ہو سارے جنگلوں سے فزوں

ترجمہ:۲

رباعی ترجمہ کا پہلا شعر.....زائد ہے، تاہم بقیہ اشعار کی ضرورت تمہید کی حیثیت رکھتا ہے۔

**(۴۸)　یغدو فیلحم ضرغاً.....الخ**

ترجمہ:۱

وہ شیر جو کہ بوقتِ سحر شکار کرے　　اور اپنے بچوں کو دے ان کی دل پسند غذا

غذا ہے جن کی کہ انساں کا تازہ تازہ گوشت　　جو ریزہ ریزہ بساط زمین پر ہو پڑا

ترجمہ:۲

تبصرہ : ترجمہ۱ بہت خوب ہے، گرچہ غنائیت سے محروم ہے، تاہم ترجمانی میں کوئی کمی نہیں ہے۔

**(۴۹)　اذا یساور قرنالا یحل له.....الخ**

ترجمہ:۱

وہ شیر نر کہ جو حملہ بپھر کے کرتا ہے　　خود اپنے جیسے ہی شیرِ نر وتوانا پر

تو چھوڑتا نہیں ہرگز فریقِ ثانی کو　　مگر شکست، شکست اور شکست ہی دے کر

ترجمہ:۲

جو اپنے مثل پر حملہ کرے تو کیا مذکور

کہ درگزر کرے اس سے مگر کہ ہووے فرار

تبصرہ : اس شعر کا ترجمہ بہت اچھا کیا گیا ہے، ترجمہ۱ کا تو کوئی جواب نہیں، جبکہ ترجمہ۲ میں دوسرے مصرع کا ترجمہ نہایت ہی پر پیچ ہے۔

**(۵۰)　منه تظل سباع الجو ضامرة.....الخ**

ترجمہ:۱

وہ شیر جس کے ہراس اور رعب ودہشت سے　　درندے دشت کے سب ہوں نحیف اور لاغر

شکاری کیسے ہی ماہر ہوں صید کرنے میں　　ہے کس میں دم کہ جو وادی سے اسکی جائے گزر

ترجمہ:۲

ہوئے ہیں خوف سے اس کے درندے لاغر
جو گزرے پیادہ بھی اس دشت میں یہ کیا تکرار

تبصرہ : اس کا پہلا ترجمہ بہت خوب ہے تاہم تیسرا مصرعہ زائد ہے متن سے الفاظ سے کوئی علاقہ نہیں ہے، تاہم معنوی طور پر بھرپور ارتباط پایا جاتا ہے، ترجمہ۲ میں تفہیم اچھی ہے، پر غنائیت بہت کم ہے۔

**(۵۱) ولایزال بوادیه اخوثقة.....الخ**

ترجمہ:۱

ہمیشہ ملتا ہے وادی میں اس کی کوئی شجاع — پڑا ہوا کسی کھائی ہوئی غذا کی طرح
زمین پر کہیں بکھرے ہیں اسلحہ جس کے — کہیں لباس پڑا ہے پھٹی ردا کی طرح

ترجمہ:۲

ہمیشہ دشت میں اسکے ہیں پہلوان دلیر
شکستہ زرہ ولباس آپ ہیں گے خوردہ وخوار

تبصرہ : اس شعر کا ترجمہ۱ نثری ترجمے سے بھی واضح ہے، یہ مترجم کی زبردست کامیابی ہے جو توضیح میں نثری مترجم پر سبقت لے گئے ہیں، دوسرا ترجمہ گرچہ اچھا ہے، پر پیچیدگی سے خالی نہیں۔

**(۵۲) إن الرسول لنور.....الخ**

ترجمہ:۱

ہے ایک نور بلاشک رسولؐ کی ہستی — جہاں میں جس سے سبھی کر رہے ہیں کسب ضیا
خدا کی تیغوں میں سے ایک تیغِ ہندی ہے — نیام سے جو چمکتی ہے اپنی ہوکے جدا

ترجمہ:۲

رسول نورالٰہی ہے روشنی اقرا
برہنہ تیغ یمانی ہے قاتل کفار

تبصرہ : ترجمہ۱ موسیقیت سے بھرپور ہونے کے ساتھ ساتھ رعایت لفظ سے بھی مالا مال ہے جب کہ ترجمہ

۲ کا مفہوم اس قدر واضح نہیں ہے، نیز اس میں ''مہند'' کا ترجمہ ''تیغ یمانی'' کیا گیا ہے۔ جب کہ پہلے ترجمے میں ''تیغ ہندی'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔

**(۵۳) فی فتیة من قریش.....الخ**

ترجمہ:۱

رسولؐ ماہِ ہدایت، قریش تھے ہالہ — ہوئی سعادتِ اسلام جب نصیب انہیں
کہا تھا ان میں سے یہ ایک کہنے والے نے — کہ مکہ چھوڑ کے ہجرت سوے مدینہ کریں

ترجمہ:۲

وہ اس گروہِ قریش سے تھے کہ دیں کے لئے
جنہوں نے ریاست کیا وطن سے کنار

تبصرہ : پہلے ترجمے کے جملہ اشعار واضح ہیں جب کہ ترجمہ ۲ کا دوسرا مصرعہ بالکل غیر واضح ہے۔

**(۵۴) زالوا فما زال.....الخ**

ترجمہ:۱

تو شہر مکہ سے وہ ٹل گئے، مگر نہ ٹلا — کوئی بھی ان میں کا کفار کے مقابل سے
وہ چاہے کیسا ہی کمزور اور نہتھا ہو — رہا ہے معرکہ آرا ہجوم باطل سے

ترجمہ:۲

ٹلے وطن سے وہ لیکن ٹلے نہ معرکہ سے
اگرچہ انمیں تھے بعضے ضعیف بے ہتھیار

تبصرہ : دونوں ترجمے مفہوم کی بھرپور ترجمانی کرتے ہیں، یہ دونوں مترجمین کی کامیابی ہے کہ انہوں نے اپنے تراجم میں قصیدے کے زیر بحث ابیات کا ایک لفظ بھی نہیں چھوڑا ہے جس کا انہوں نے ترجمہ نہ کیا ہو۔

**(۵۵) شم العرانین.....الخ**

ترجمہ:۱

بلندوبالا ہیں وہ اونچی ناک والے ہیں — نہیں جواب زمانے میں جن کی جرأت کا
ہیں گویا پیرہنِ جنگ ان کا وہ زرہیں — کہ جن کو حضرت داؤدؑ نے بنایا تھا

ترجمہ۲

بلند بنی ہیں وہ پہلوان کہ جن کے زرہ
عمل سے حضرت داؤدؑ کے ہوئے تیار

تبصرہ : دونوں مترجمین نے قصیدے کے ان اشعار کو لفظی رعایت سے مالا مال کیا ہے۔ یہ ترجمے نثری ترجمے پر بھی فوقیت رکھتے ہیں، کیونکہ ان کا نثری ترجمہ بھی اس قدر واضح نہیں ہے۔

**(۵۶) بیض سوابغ .....الخ**

ترجمہ۱

وہ صاف زرہیں کہ ہیں رنگ جن کے تیز سفید — جو اپنی خوبیٔ صنعت سے ہیں درخشندہ
اوران میں حلقے بھی ہیں جس طرح کہ قفعا میں — ہر ایک حلقہ ہے اک دوسرے سے پیوستہ

ترجمہ۲

سفید رہتی ہیں یوں اس کی تہ بتہ کڑیں
کہ جیسے حلقۂ زلف بتاں میں پیچ ہزار

تبصرہ : ترجمہ۱ میں ترجمہ کے اصول نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ بروئے کار لائے گئے ہیں، تاہم اس میں ''سوابغ'' کا ترجمہ ندارد ہے۔ ترجمہ۲ میں ''حلق القفعاء'' کا ترجمہ ''حلقۂ زلف بتاں میں پیچ ہزار'' کیا گیا ہے جب کہ قعفا ایک پودہ ہوتا ہے جس کی بیلیں باہم گتھی ہوئی ہوتی ہیں۔

**(۵۷) لا یفرحون اذانالت رماحهم.....الخ**

ترجمہ۱

وہ ایسے لوگ ہیں جن کو نہ فخر ہو نہ خوشی — جب ان کے نیزے کسی قوم پر برستے ہیں
ہو ان پہ وار تو فریاد بھی نہیں کرتے — کہ مرگ وزیست کے ختم ان پہ سب سلیقے ہیں

ترجمہ۲

نہیں ہے انکو خوشی گو کہ ماریں سو نیزہ
نہ زخمی ہونے سے غم کے ہیں ان کے گرد آثار

تبصرہ : ترجمہ۱ کی موسیقیت بہت خوب ہے نیز غنائیت سے بھی یہ اشعار بھرپور ہیں، گرچہ آخری مصرعہ زائد ہے، تاہم یہ تکمیلہ پہلے تین مصرعوں کا اور ترجمہ۲ میں تفہیم کی کوشش ملتی ہے، ''سو نیزہ'' بامحاورہ ترجمہ ہے۔

**(۵۸) یمشون مشی الجمال الزُّھر.....الخ**

ترجمہ:۱

سفید اونٹوں کی مانند چلتے ہیں وہ لوگ　　اوران کی ''ضرب'' حفاظت کا کام کرتی ہے
فرار کرتے ہیں ان کے مقابلے سے جب　　وہ جن کے چھوٹے ہیں قد اور شکل کالی ہے

ترجمہ:۲

چلے ہیں جوں شترمست اور سپرانکے
وہ تیغ تیز ہے بھاگیں ہیں جس گھڑی کفار

**تبصرہ** : ترجمہ۱ بہت خوب ہے اس کا دوسرا مصرعہ اوران کی ''ضرب'' حفاظت کا کام کرتی ہے، لاجواب ترجمہ ہے، چاروں مصرعے رعایت لفظی سے عبارت ہیں، مبالغہ آمیزی سے دور بھی ہیں، جبکہ ترجمہ۲ میں ''السودالتنابیل'' کا ترجمہ ندارد ہے۔

**(۵۹) لا یقع الطعن الا فی نحورھم.....الخ**

ترجمہ:۱

انہیں کے سینے ہیں آماجگاہ نیزوں کی　　کہ موت بھی نہیں کرسکتی ہے انہیں پسپا
وہ پیچھے ہٹتے نہیں موت کے مقابل سے　　جری بناتا ہے جذبہ انہیں شہادت کا

ترجمہ:۲

نہ زخم نیزہ کا پہنچے مگر کہ سینہ میں
کہ انکو موت کے چشمہ سے بھی نہیں انکار

**تبصرہ** : ترجمہ۱ اگرچہ تفہیمی تشریح کا پہلو لئے ہوئے ہے تاہم مترجم، شاعر کا مدعا بیان کرنے میں کامیاب ہیں، ہاں اتنا ضرور ہے لفظی ترجمہ یا رعایت لفظی سے یہ اشعار مالا مال نہیں۔

## منظوم تراجم کی خصوصیات:

زیر بحث قصیدے کے مترجمین کی اس کاوش کا محرک ان کا مذہبی جذبہ رہا ہے۔ برصغیر ہندو پاک میں رسول پاکؐ کی شان میں مدحت سرائی کی روایت بہت پرانی ہے۔ بے شمار اور ان گنت شعراء نے اس موضوع پر طبع آزمائی کی ہے، ادیبوں سے لے کر عام شاعروں تک یہی روایت پابندی کے ساتھ دہرائی جاتی رہی ہے اور چونکہ قصیدہ بانت سعاد مدحتِ رسول کے حوالے سے عالمی اور آفاقی شہرت کا حامل ہے اس لئے برصغیر میں بھی اس کے منظوم ترجمے کی ایک توانا روایت ملتی ہے۔

قصیدہ کے اردو منظوم تراجم میں کچھ رباعی ہیئت کے حامل ہیں جب کہ دو بیتی اشعار بھی ترجمے کی زینت بنے ہیں، یہ ترجمے مختلف حیثیتوں سے جداگانہ خصوصیات کے حامل ہیں، فن، اسلوب اور بیان کے نقطۂ نظر سے اس ضمن میں درج ذیل خصوصیات قابل توجہ ہیں:

۱۔ منظوم تراجم میں الفاظ کی رعایت بہت کم کی گئی ہے، جب کہ ترجمے کی بنیادی خوبی یہ ہوتی ہے کہ مترجم نص سے زیادہ سے زیادہ قریب رہے۔

۲۔ کہیں کہیں بعض الفاظ کے ترجمے فوت ہو جائے ہیں

۳۔ بعض الفاظ کے ترجمے کے فوت ہونے کے علاوہ زائد الفاظ بلکہ جملے بھی نظر آتے ہیں۔

۴۔ ترجمہ میں تفہیم کی غرض سے نثر کی صورت میں قوسین کا استعمال کیا جاتا ہے لیکن چونکہ شعر میں ایسا کرنا ممکن نہیں اس لئے زائد الفاظ کے اضافے کئے گئے ہیں۔

۵۔ منظوم ترجمے میں پورا منظوم قصیدہ کسی ایک قافیہ اور وزن کا پابند نہیں ہے، لیکن ہر ایک رباعی کے اوزان وقوافی دوسرے سے مختلف ہیں۔

۶۔ صرف الفاظ کی رعایت ہی منظوم ترجموں میں مفقود نہیں ملتی بلکہ ترکیب کی رعایت بھی نہیں کی گئی ہے، موصوف صفت کا ترجمہ مضاف مضاف الیہ سے اور مضاف مضاف الیہ کی ترکیب پر مبنی اشعار کا ترجمہ موصوف صفت کا پیکر لئے ہوئے ہے، نیز اس طرح فعل کا ترجمہ اور اسم کا ترجمہ فعل سے کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر اس شعر کو لیجئے:

تجلو عوارض ذی ظلم إذابتسمت

کأنه منهل بالراح معلول

اس کا یوں ترجمہ کیا ہے:

وہ جاں نواز تبسم، وہ دل ربا دنداں
کرے بوقت تبسم جب آشکار انہیں
چمک ہو موتی سے بڑھ کر، ابھی ابھی جیسے
شرابِ ناب سے دھویا ہے بار بار انہیں

یہاں ''اذابتسمت (جب وہ مسکراتی ہے) کو ''بوقت تبسم'' کے ذریعہ ظاہر کیا گیا ہے یعنی فعل کا ترجمہ مضاف مضاف الیہ سے کیا گیا ہے، تاہم ایسا یا تو ضرورت شعری کی وجہ سے کیا گیا ہے یا حسن پیدا کرنے کی خاطر۔

۷۔ رباعی ہیئت والے ترجمہ میں ترجمہ سے زیادہ تشریح کا رجحان غالب ہے، جو منظوم ترجمے کے تجزیے کے وقت زیر بحث آچکا ہے۔

# قصیدہ بانت سعاد کے منثور و منظوم تراجم کا تقابلی مطالعہ

''تقابلی مطالعہ'' تحقیق و ریسرچ میں ریڑھ کی ہڈی کی سی حیثیت رکھتا ہے، اس کے ذریعہ زیر بحث موضوع کا نہایت ہی باریک بینی کے ساتھ جائزہ لیا جاتا ہے، علم و بصیرت اور دلائل کی روشنی میں حقائق کی نقاب کشائی کی جاتی ہے، کھرے اور کھوٹے کو عالمانہ انداز میں ایک دوسرے سے الگ کیا جاتا ہے۔ تقابلی مطالعہ کی اسی اہمیت و قیمت کی وجہ سے قصیدۂ بانت سعاد کے منظوم و منثور تراجم کا بھی تقابلی مطالعہ کیا جارہا ہے جس سے ہم نہ صرف منظوم و منثور تراجم میں فرق و امتیاز کے پہلوؤں کی وضاحت کرسکیں گے بلکہ اسی کے ذریعہ قصیدے کے اردو تراجم کے حوالے سے بہت سے حقائق سے پردہ بھی اٹھا سکیں گے نیز اس کے ساتھ ان کی خوبیاں اور خصوصیات بھی واضح ہوسکیں گے۔

اس تقابلی مطالعے کے مقدماتی نقطے کے طور پر اس چیز کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کہ منظوم ترجمہ خواہ وہ نثر پر مبنی نص کا ہو یا نظم اور اشعار کا ہو، بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ نثر کا منظوم ترجمہ کسی حد تک آسان ہوتا ہے لیکن اشعار کا ترجمہ اشعار کی زبان میں کافی مشکل ہوتا ہے، چونکہ نثر میں تشریح و توضیح اور تفہیم کی پوری گنجائش ہوتی ہے، قوسین کا استعمال کرکے پیچیدہ سے پیچیدہ ترین عبارت کو حل کیا جاسکتا ہے اور اسی کی تفہیم کو ممکن بنایا جاسکتا ہے لیکن اشعار میں قوسین کا استعمال ناممکن ہے اس لئے بسا اوقات شعری ترجمہ ابہام کا شکار ہوجاتا ہے، اس طرح مختلف علامات ترمیم کا استعمال کرتے ہوئے نثری ترجمے کو مختصر اور جامع نیز معنی خیز بھی بنایا جاسکتا ہے پر اشعار میں کسی بھی علامت کا استعمال نہیں کیا جاسکتا جس سے اختصار و جامعیت پیدا کرنا مترجم کے لئے بہت مشکل ہوجاتا ہے۔

اس قسم کی مشکلات زیر بحث قصیدے کے منثور و منظوم تراجم میں جابجا دیکھنے کو ملتے ہیں، جس کی طرف ان تراجم کا جائزہ لیتے وقت پچھلے صفحات میں جابجا اشارہ کیا گیا ہے بلکہ اس کی توضیح بھی کی گئی ہے۔

قصیدے کے منثور و منظوم تراجم میں فرق کا ایک نمایاں پہلو یہ ہوسکتا ہے کہ منظوم تراجم میں ضرورتِ شعری کی بنا پر کئی جگہوں پر الفاظ کا گلا گھونٹ دیا جاتا ہے، مثال کے طور پر ''ولیک'' کا استعمال جیسے الٰہی بخش کاندھلویؒ نے اپنے ترجمہ کے دو تین جگہوں پر کیا ہے لیکن منثور تراجم میں ایسا نہیں ہے۔

اسی طرح نثری تراجم کہیں کہیں آزاد ترجمے کی تکنیک کا استعمال کرتے ہوئے الفاظ سے دور بہت دور چلے جاتے ہیں، پر منظوم ترجمے کو بھی اس سے مبرا نہیں جانا جاسکتا ہے، خاص طور سے ''رئیس نعمانی'' کا رباعی کی ہیئت پر مبنی منظوم ترجمہ نے قافیے اور ردیف واوزان کے فراق میں کئی ایک جگہوں پر الفاظ سے رشتہ ناطہ توڑ لیا ہے، تاہم الٰہی بخش کاندھلویؒ کا ترجمہ اس خامی سے بالکل مبرا ہے، ہاں اتنا ضرور ہے کہ منظوم مترجمین کے سامنے مجبوریاں ہوتی ہیں، قافیہ، ردیف اور وزن کی پابندی الفاظ کی بھرپور رعایت راہ میں حائل ہوجاتی ہے، چنانچہ منظوم تراجم کا تجزیہ کرتے وقت متعدد جگہوں پر اشارہ کیا گیا ہے کہ ان میں قصیدے کے الفاظ کی رعایت نہیں کی گئی ہے۔

اس طرح منظوم تراجم میں بالخصوص رباعی کی ہیئت والے ترجمہ میں ایسے اشعار کئی ایک جگہوں پر ہیں جو زائد ہیں اور عربی قصیدے میں موجود نہیں، دراصل یہ زیادتی منثور تراجم میں بھی ہے لیکن قوسین کے استعمال سے یہ زیادتی ختم نہیں ہوتی، مثال کے طور پر رباعی کی ہیئت والے ترجمے کے یہ اشعار: ۳۶ کے پہلے دو مصرعہ، ۳۷ کا تیسرا مصرعہ، ۳۰ کا آخری مصرعہ، ۱۶ کا پہلا مصرعہ، ۱۱ کے آخری دو مصرع، ۱۲ کے آخری دو مصرع، ۷ کا تیسرا مصرع۔

منثور ترجمہ میں اظہار وتوضیح کی بھرپور صلاحیت ہوتی ہے پر منظوم تراجم میں اتنی صلاحیت نہیں ہوتی، منظوم مترجم بسا اوقات عروض کے قواعد کی پابندی میں اظہار وتوضیح کی ذمہ داری پوری نہیں کر پاتا، تاہم کہیں کہیں ایسا دیکھنے میں آتا ہے کہ منظوم مترجمین نے منثور مترجمین سے کہیں زیادہ ترجمانی کا حق ادا کیا ہے۔ مثال کے طور پر ذیل کے اشعار کے ترجمے ہیں، شعر اور اس کے منثور ومنظوم ترجمے پیش کئے جارہے ہیں۔

زالوا فمازال انکاس ولا کُشُفُ

عند اللقاء ولا میل ومعازیل

منثور ترجمہ: یہ لوگ ہجرت کے لئے کوچ کر گئے، لیکن ان لوگوں نے ہجرت نہیں کی جو کمزور تھے، مقابلۂ دشمن کے وقت جن کے پاس ڈھال نہ تھی اور جن کے پاس تلواریں نہ تھیں، نہتے بے ہتھیار کے تھے۔ (۱)

اس کا مفہوم انتہائی ناقص ہے، اس کی تفہیم سے قاصر رہنے کے بعد مترجم نے اس کا مطلب بھی بیان کیا ہے جو آزاد ہے اس میں الفاظ کے رعایت کی کوئی شرط وپابندی نہیں ہے، چنانچہ لکھتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ آپؐ نے ہجرت کی تو آپؐ کے ساتھ جو لوگ تھے وہ سب بہادر، ڈھال سے آراستہ، تلوار بستہ تھے، بے ڈھال اور تلوار سے نہتے اور کمزور نہ تھے (۲) اس کے باوجود شاعر کی مراد واضح نہیں ہوتی، لیکن منظوم ترجموں میں بھرپور معانی پائے گئے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے:

ترجمہ:۱

تو شہر مکہ سے وہ ٹل گئے ، مگر نہ ٹلا
کوئی بھی ان میں کا کفار کے مقابل سے
وہ چاہے کیسا ہی کمزور اور نہتھا ہو
رہا ہے معرکہ آرا ہجومِ باطل سے(۳)

ترجمہ: ۲

ٹلے وطن سے ولیکن ٹلے نہ معرکہ سے - اگر چہ انمیں تھے بعضے ضعیف بے ہتھیار(۴)

یہ دونوں منظوم نثری ترجمے سے کہیں زیادہ واضح ہیں بلکہ یہ واضح کرتے ہیں کہ ردائے رحمت کے مصنف اس شعر کی تہ تک پہنچ بھی نہیں پائے ہیں۔

مثال:۲ شعر:

شم العرانین أبطال لبؤسهم
من نسج داؤد فی الهیجا سرابیل

منثور ترجمہ: بڑی ناک والے، جنگ کے مرد میدان، معرکہ میں ان کا لباس حضرت داؤد کا ''خود'' اور ''زرہ'' ہے(۱)

منظوم ترجمہ:۱

بلند و بالا ہیں وہ اونچی ناک والے ہیں
نہیں جو اب زمانے میں جن کی جرأت کا
ہیں گویا پیرہن جنگ ان کا وہ زرہیں
کہ جن کو حضرت داؤدؑ نے بنایا تھا

منظوم ترجمہ: ۲

بلند بینی ہیں وہ پہلوان جنکے زرہ
عمل سے حضرت داؤد کے ہوئے تیار

ان دونوں منظوم تراجم میں ''لبؤسهم من نسج داؤد فی الهیجا سرابیل'' کا ترجمہ منثور ترجمے سے واضح تر ہے۔ ''خود'' کا ترجمہ منظور مترجم نے ادراجاً کر دیا ہے۔

تفہیم وتوضیح میں کہیں کہیں فوقیت رکھنے کے باوجود منظوم ترجمے بعض مقامات پر ناقص بھی ہیں، عروض کی سخت پابندی تکمیل کی راہ میں حائل ہوگئی ہے، مثال کے طور پر قصیدے کا ۴۶ ویں شعر کا ترجمہ ہے:

لـذاك أهيـب عـنـدى إذا اكـلـمـه

وقيـل إنـك مـنسـوب ومسـئـول

اس کا منظوم ترجمہ یوں ہوگا:

یہ اس لئے کہ ہوئی گفتگو جب آقاؐ سے

تو تھا بہت ہی میں ہیبت سے ان کی خوف زدہ

کہا گیا تھا کہ ہے کعب، تجھ پہ، وہ الزام

بجا ہے حال پہ تیرے اگر کریں گریہ(۲)

اس شعر میں ''مسئول'' کا ترجمہ نہیں کیا گیا ہے، تاہم الٰہی بخش کاندھلویؒ نے پہلے بہت خوب ترجمہ کیا ہے تاہم دوسرا مصرعہ بالکل عارضی ہے۔

مہیب تر ہے وہ مجھ پاس وقت گفت وشنود

کہا ہوں خلق نے میں متہم بجرم کبار(۱)

یہ دونوں ترجمے ناقص ترجمانی کرتے ہیں:

کہیں کہیں منظوم ترجمے نے قافیے اور وزن کی خانہ پری کی وجہ سے تک بندی کی شکل اختیار کرلی ہے۔ ان سے قافیے اور ردیف اور وزن شعری کے سوا کوئی چیز برآمد نہیں ہوتی، موسیقیت اور غنائیت ندارد ہے۔ الٰہی بخش کاندھلویؒ کے ترجمے میں یہ چیز زیادہ ملتی ہے۔

کہیں کہیں منثور تراجم میں تضاد بھی ہے، مثال کے طور پر قصیدے کا پچیسواں شعر ہے:

تـمر مثل عسيب النخل ذا خُصَل

فـي غـارز لـم تـخـونـه الأحـاليل

اس کا الٰہی بخش کاندھلویؒ نے منظوم ترجمہ یوں کیا ہے:

تھنوں پہ پھیرتی ہے جوں شاخِ نخل پرچم دم

خیانت اس سے کسی نر نے کی ہو کیا تکرار(۲)

جبکہ مولانا عبداللہ عباس ندویؒ نے اس کا منثور ترجمہ یوں کیا ہے:

''وہ اپنی دم کو جو شاخ نخل (کھجور کی ٹہنی) کی مانند لانبی ہے اور جس پر بالوں کے گچھے ہیں، اپنے ایسے تھن پر پھیرتی ہے جس نے دودھ دینے میں کمی نہیں کی۔(۳)

ان دونوں تراجم میں ''خیانت'' کے فاعل کے مابین تضاد ہے۔

منظوم ترجمہ میں ''نراونٹ'' کو اس کا فاعل قرار دیا گیا ہے مترجم نے دور کی کوڑی لائی ہے، منثور ترجمہ میں ''تھن'' (احالیل) کو فاعل بنایا گیا ہے جو کہ قاعدے کے عین مطابق ہے۔

اسی طرح کہیں کہیں دونوں کے ترجمے ایک دوسرے سے مختلف بھی ہیں۔

جیسا کہ بیالسویں شعر میں ''ھداک'' کا ترجمہ ہے، یہ شعر یوں ہے

مهلاً هداك الذى أعطاك فافلةً ال

قرآن فيها مواعيظ وتفصيل

منثور ترجمہ: ذرا ٹھہریے آپ کو وہ (اللہ تعالیٰ) ہدایت دے جس نے آپ کو قرآن کا عطیہ دیا ہے اور وہ قرآن جس میں معاش و معاد کی تفصیل ہے۔

منظوم ترجمہ: ۱

رسولِ پاکؐ ، عطا کیجئے مجھے مہلت
خدا کی خاص ہدایت ہے آپ کو حاصل
کہ جس سے آپ کو قرآن سی کتاب ملی
نصیحت اور بیانات جس کے ہیں کامل

منظوم ترجمہ: ۲

نہ جلدی کر کہ ہدایت کرے تجھے وہ خدا
کتاب جس نے تجھے دی بوعظ و پند ہزار

منثور ترجمہ نیز منظوم ترجمہ ۲ میں ''ھداک'' کا ترجمہ انشاء (دعا) کی شکل میں کیا گیا ہے جب کہ منظوم ترجمہ ۱ میں ''خدا کی خاص ہدایت ہے آپ کو حاصل'' کہہ کر جز کا ترجمہ کیا گیا ہے۔

منثور و منظوم تراجم میں کہیں کہیں شدید قسم کا اختلاف بھی پایا جاتا ہے مثال کے طور پر قصیدے کا بیسویں شعر کا ہے، جس کے منثور و منظوم ترجمے یوں ہیں:

منثور ترجمہ: اس اونٹنی کی کھال (بہت چکنی اور سپاٹ ہونے کی وجہ سے) بحری کچھوے کی مانند ہے، اس

کے جسم کے ان حصوں کو جو آفتاب کے رخ پر ہوتے ہیں کلنی یا چچڑی اپنے قابو میں نہیں کر سکتی یا کمزور نہیں کر سکتی:

منظوم ترجمہ: ا

ہے سنگ پشت کی مانند اس کی پشت کی جلد
بہت ہے سخت، چکمدار اور بہت ہموار
کہ جس پر چچڑی چمٹنے میں کامیاب نہ ہو
اگرچہ بھوک سے چچڑی کو ہو نہ صبر و قرار (۲)

''مہزول'' کا تعلق منظوم ترجمہ میں خود چچڑی سے دکھایا گیا ہے اور اسے اس کی صفت و کیفیت قرار دیا گیا ہے، جب کہ منثور ترجمہ میں اونٹنی سے اس کا تعلق دکھائی دیتا ہے، اس طرح دونوں تراجم میں تضاد کی حد تک اختلاف پایا جاتا ہے۔

یہ نکات قصیدے کے منثور و منظوم تراجم کے تجزیے کی راہوں کا نہ صرف تعین کرتے ہیں، بلکہ اس کی راہیں ہموار بھی ہوتی ہیں، اس سے تنقیدی مطالعے کے دروازے بھی کھلتے ہیں۔

# حاصل مطالعہ

جلیلؔ مانک پوری نے کہا تھا ۔

نہ میں اچھا نہ میرے شعر اچھے بات اتنی ہے
جسے اچھا کہیں سرکار اچھا ہو ہی جاتا ہے

یہ شعر قصیدۂ بانت سعاد پر صد فی صد منطبق ہوتا ہے، چنانچہ ادبی نقطۂ نظر سے اگر اس قصیدے کا جائزہ لیا جائے تو یہ اتنا عظیم نہیں کہ وہ اس ناموری کا بجا طور پر حقدار ہو سکے جس پر آج اسے تمکنت حاصل ہے، اسے آسمانِ شہرت پر پہنچانے والی چیز یہ ہے کہ رسول رحمتؐ نے اس قصیدے پر اپنی خوشی کا اظہار کیا اور اپنی ردائے رحمت قصیدے کے شاعر کعب بن زہیر کو مرحمت فرمادی، جو اسلامی تاریخ میں ایک غیر معمولی اہمیت کا باعث ہے، اسی چیز نے اس قصیدے کو آسمانِ رفعت پر پہنچایا اور اسے ہمدوش ثریا کیا۔

اس پورے مقالے میں قصیدے کا مختلف حیثیتوں سے جائزہ لیا گیا ہے، جانبی موضوعات سے گرچہ تعرض نہیں کیا گیا ہے تاہم اس کے عربی زبان میں ہونے کی وجہ سے عربی ادب کی تاریخ و پس منظر کو نظر انداز بھی نہیں کیا جا سکا، چونکہ اس مقالے کا تعلق ترجمے سے ہے اس لئے ترجمے کی روایت اور طریقۂ کار سے بھی بحث کرنا ضروری خیال گیا۔ مطالعے کا پورا ارتکاز قصیدے کی حیثیت اور اس کے اردو تراجم کے تجزیے پر رکھا گیا۔

ان تراجم کا تجزیہ کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ نثری ترجمہ تفہیم کی خوبی سے مالا مال ہو سکتا ہے بلکہ ہوتا بھی ہے، لیکن منظوم ترجمے کے ساتھ یہ بڑی مشکل چیز ہے کہ الفاظ کی رعایت بھی ہو اور اس کی غنائیت و موسیقیت پر بھی آنچ نہ آنے پائے، چنانچہ پچھلے صفحات میں منظوم ترجمے کے دو دو نمونے پیش کئے گئے ہیں، ایک ترجمہ رئیس نعمانی صاحب کا ہے جو رباعی کی ہیئت میں ہے جب کہ دوسرا ترجمہ علامہ الٰہی بخش کاندھلویؒ کا ہے۔ رئیس نعمانی صاحب نے اس کا رباعی کی ہیئت میں ترجمہ کیا تا کہ شعر کی غنائیت، موسیقیت اور آہنگ برقرار رہے لیکن اطناب سے نہ بچ سکے اور الفاظ کی رعایت کی پابندی کا بھرم ٹوٹ کر رہ گیا، جہاں تک دوسرے ترجمے کی بات ہے الٰہی بخش کاندھلویؒ نے الفاظ کی رعایت کی پابندی کی، جس کی وجہ سے شعر کی جو اپنی موسیقیت اور غنائیت ہوتی ہے وہ جاتی رہی، دراصل ترجمے میں نقل معانی اور ترسیل مفہوم میں اچھی کامیابی ہی بہت بڑی بات ہوتی

ہے۔غنائیت موسیقیت اور آہنگ کا تعاقب مشکل ترین چیز ہے۔

اس مقالے کے منثور و منظوم تراجم کے تجزیے کے دوران اس کی کوتاہیوں اور کمیوں پر نظر پڑی تو دل نے چاہا کہ ہم بھی اس کا ایک ترجمہ کریں جس میں یہ کمیاں و کوتاہیاں نہ رہیں اور ان کی اصلاح ہو جائے، لیکن یہاں یہ چیز ممکن نہیں ہے۔ ہماری خواہش ہے کہ نظر ثانی کے بعد اسے کتابی شکل دی جائے اور زیورِ طباعت سے آراستہ کر کے منظر عام پر لایا جائے، اس وقت ہم ترجمہ انشاءاللہ ضمیمہ کے طور پر شامل اشاعت کریں گے۔

آخر میں یہ بات صراحت کے ساتھ بیان کر دینا چاہتے ہیں کہ قارئین کو اس تجزیے میں کہیں کہیں کمیاں ملیں گی، ان پر ان کی گرفت بجا ہو سکتی ہے کیونکہ ہم نے میدان تحقیق کے ایک نو وارد طالب علم کی حیثیت سے اس تحقیق کا بیڑا اٹھایا ہے جسے کمال دیانتداری کے ساتھ پورا کرنا اپنا فرض منصبی سمجھا، اس لئے غلطی ہونا اور کمی رہ جانا کوئی بہت زیادہ تعجب کی بات نہیں۔

ہماری انتہائی کوشش یہی رہی ہے کہ تحقیق کے سارے اصولوں کو بروئے کار لایا جائے، زبان و ادب کے طالب ہونے کی حیثیت سے رواں اور سلیس اسلوب کو اپنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ تجزیہ اور تبصرہ کے دوران اپنی رائے پیش کرنے میں کوئی زیادتی نہیں کی گئی ہے، اسے کسی پر تھوپنے کی بھی کوشش نہیں کی گئی ہے۔

اخیر میں ہماری رب سے دعا ہے کہ اس تحقیق کو زبان و بیان کی خدمت کا ایک اہم وسیلہ بنا دے۔ ؎

دے دعا کو مری وہ مرتبہ حسن قبول
کہ اجابت کہے ہر حرف پہ سو بار

# کتابیات


الٰہی بخش کاندھلوی: شرح قصیدۂ بانت سعاد

احمد حسن زیات : تاریخ الأدب العربی، کتب خانہ رشیدیہ، اردو بازار، جامع مسجد دہلی، 6

ابوالفرج اصفہانی : الاغانی، مطبوعہ دارالکتب، بیروت 1970

ابن رشیق قیروانی : عمدۃ، مطبوعہ سوم، دارالکتاب العربی، بیروت، لبنان

ابو ہلال عسکری : الصناعتین، مطبوعہ مصر، 1320ھ

الماس انجم : قصیدہ بردہ شریف اور اس کی شروح
(ادارہ علوم اسلامیہ، جامعہ پنجاب لاہور (مقالہ برائے ایم اے)

جمیل جالبی : تاریخ ادب اردو، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نیو دہلی

ذوالفقار علی دیوبندی: عطرۃ الوردۃ فی شرح بردہ، مکتبہ مجتبائی، دہلی، 1329ھ

حبیب اللہ خاں : الترجمۃ العربیۃ منہا والیہا فی الہند بعد استقلال حتی عام، 1990
دارسلمان للطباعۃ والنشر، نئی دہلی، عام 1997

حسن الدین احمد (مرتب): ساز مغرب (اردو آہنگ میں) ولا اکیڈمی حیدرآبادی 1978

رئیس نعمانی : چراغ نوا، ایجوکیشنل بک ہاؤس، شمشاد مارکیٹ، علی گڑھ
الفرقان بکڈپو، نظیر آباد/ دانش محل، امین آباد، لکھنؤ

رابع حسنی ندوی : ادب العربی، مکتبہ ندویہ، دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

رضوانہ معین : اردو پر عربی کے لسانی اثرات، حیدرآباد، بار اول 1991

سید احسان الرحمٰن : فن ترجمہ (عربی) مصر

سید احسان الرحمٰن: عربی ترجمے کی روایت، ہند ایشین پبلکیشنز، نئی دہلی، طباعت 2008

شوقی ضیف : تاریخ الأدب العربی، دارالمعارف، قاہرہ، مصر، 1119ھ

شمس کمال انجم : جدید عربی ادب، الکتاب انٹرنیشنل جامعہ نگر، نئی دہلی، 2005

صباح الدین عبدالرحمٰن (مرتب) : انتخاب مضامین سید سلیمان ندوی

صفی الرحمٰن مبارکپوری : الرحیق المختوم، المجلس العلمی، حسین آباد، گوجر پار، مبارکپور، اعظم گڑھ

عبداللہ عباس ندوی : ردائے رحمت، مکتبہ فردوس، مکارم نگر، اسکائی پرنٹرس، لکھنؤ 1989

عبدالحلیم ندوی : عربی ادب کی تاریخ، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی

عبدالعزیز بن محمد الفیصل: الادب العربی وتاریخہ، (العصر الجاہلی وعصر صدر الاسلام والعصر الاموی) الجامعۃ الاسلامیۃ، مکتبۃ الملک فھد، 1420ھ

عبدالحق : اردو میں نثری تراجم: ایک تعارف، اگست، ایوان اردو دہلی، 2006

عبدالحئ : الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند، دارعرفات، رائے بریلی

علی جندی : فی تاریخ الادب الجاہلی، دارالمعارف، مصر (ب ت)

علاءالدین ندوی : منتخب تعبیرات، پاریکھ آف سیٹھ، ندوۃ روڈ، لکھنؤ

فصیح الدین دہلوی : معین المترجم، مکتبہ وحیدیہ دہلوی، باراول ستمبر، 2000

قمر رئیس : ترجمہ کا فن اور روایت، تاج پبلشنگ ہاؤس، جامع مسجد دہلی، 1976

مجیب الاسلام : دارالترجمہ عثمانیہ کی علمی اور ادبی خدمات، مجیب الاسلام 44، کیا بیان اسٹریٹ، دہلی

نصیر احمد خاں : اردو لسانیات، اردو محل پبلشنگ نئی دہلی، 1990

یحی جبوری : الإسلام والشعر، مطبعہ الارشاد، بغداد، 1936

# An Analytical Study Of Qasida-e- Burda (Banat Suad) And it's Urdu Translation

# "Qasida-e-Burda (Banat Suad) Aur Uske Urdu Trajim Ka Tajziyati Mutala"

Dissertation submitted to Jawaharlal Nehru University
in partial fulfillment of the requirements
for award of the degree of

MASTER OF PHILOSOPHY

By
**Saud Alam**

Under the Supervision of
**Prof. Moinuddin A. Jinabade**

CENTRE OF INDIAN LANGUAGE
SCHOOL OF LANGUAGE, LITERATURE AND CULTURE STUDIES
JAWAHARLAL NERUU UNIVERSITY
NEW DELHI- 110067
2009